زکوٰۃ

چند اہم مسائل

محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری شریعہ کونسل جماعت اسلامی ہند

©جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: زکوٰۃ - چند اہم مسائل
مصنف : ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
صفحات : ۱۱۲
ناشر : زکوٰۃ سینٹر (انڈیا)
مطبع :

Zakat - Chand Aham Masial

by

Muhammad Raziul Islam Nadvi

فہرست مضامین

پیش لفظ	6
مقدمہ	7
ایک چیز پر زکوٰۃ کی ادائیگی بار بار کیوں؟	19
نصابِ زکوٰۃ اور صاحبِ نصاب	20
زکوٰۃ کی مقدار	21
سرکاری ملازمین اپنی زکوٰۃ کیسے نکالیں؟	23
بچہ اور مجنون پر زکوٰۃ؟	25
کس شخص پرزکوٰۃ نہیں ہے؟	27
زکوٰۃ کن کن چیزوں پر نکالنا ضروری ہے؟	29
کیا ہر مال کی زکوٰۃ الگ الگ نکالی جائے گی؟	31
زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ	32
زکوٰۃ سونے کے سکّوں پر یا زیورات پر؟	33
سونا اور چاندی نصاب سے کم ہوں تو کیا انھیں ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟	34
زمین پر زکوٰۃ	35
مکان پر زکوٰۃ	36
فروخت کے ارادے سے بنائے گئے مکان پر زکوٰۃ	37
فلیٹ پر زکوٰۃ	38
پلاٹ پر زکوٰۃ	39
زیورات پر زکوٰۃ	41
قرض پر لیے گئے زیورات کی زکوٰۃ	46

لاکر (Locker) میں رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ 47
استعمالی زیورات پر زکوٰۃ 48
کرنسی نوٹ میں زکوٰۃ کا نصاب 50
حج کے لیے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ 51
پرائویٹ فنڈ (PF) پر زکوٰۃ کا ایک مسئلہ 52
زکوٰۃ کے مستحقین 54
رشتے دار کو زکوٰۃ 56
گھر اور دکان کے مالک غریب رشتے دار کو زکوٰۃ 57
غریب رشتے دار کو اس کے گھر شادی کے موقع پر زکوٰۃ دینا 58
بہن کو زکوٰۃ 59
غریب سید کو زکوٰۃ 60
سید خاندان کے لیے حرمتِ زکوٰۃ کی حکمت 61
کسی ضرورت مند کو شادی کے لیے زکوٰۃ دینا 62
صاحبِ نصاب عورت کے غریب شوہر کو زکوٰۃ 63
کیا عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟ 65
ریاستی مظالم کے شکار لوگوں کو چھڑانے کے لیے زکوٰۃ کا استعمال 67
تبلیغِ دین کے کام میں زکوٰۃ کا استعمال 70
انگریزی میڈیم اسکولوں کے طلبہ کو زکوٰۃ 76
رقمِ زکوٰۃ سے اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائی 78
مسجد یا مدرسہ میں زکوٰۃ 82
قرض دار کو زکوٰۃ 83

زکوٰۃ کو قرض میں ایڈجسٹ کرنا 84

زکوٰۃ کو قرض میں منہا کرنا 86

کیا زکوٰۃ کو روک کر رکھا جا سکتا ہے؟ 87

کیا جمع شدہ زکوٰۃ ایک سال کے اندر خرچ کرنی ضروری ہے؟ 88

پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی 90

زکوٰۃ کی رقم کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا 91

قسطوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی 92

کیا زکوٰۃ کو یک مشت ادا کرنا ضروری ہے؟ 93

کیا زکوٰۃ کو ماہِ رمضان میں ادا کرنا ضروری ہے؟ 94

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رمضان کاانتظارضروری نہیں 95

کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے؟ 98

کیا زکوٰۃ کی نیت بعد میں کی جا سکتی ہے؟ 100

کیا کُل زکوٰۃ کسی ایک شخص کو دینا جائز ہے؟ 101

انٹرسٹ کو کم کرکے زکوٰۃ نکالی جائے 102

نقدرقم نہ ہوتو زکوٰۃ کیسے نکالیں؟ 103

مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے کا صحیح طریقہ 105

کیا زکوٰۃ کی سرمایہ کاری جائز ہے؟ 107

پیش لفظ

بہت پہلے میں نے ایک کتابچہ 'زکوٰۃ: احکام و مسائل' کے عنوان سے مرتّب کیا تھا۔ یہ متعدد اشاعتی اداروں سے طبع ہوا اور الحمد للہ اسے خوب پذیرائی ملی۔ زکوٰۃ کے موضوع پر اب دوسری کتاب پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔

اس کتاب میں جو سوالات و جوابات شامل ہیں ان میں سے بیش تر ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں طبع ہوتے رہے ہیں۔ کچھ کی اشاعت خواتین کے آن لائن ماہ نامہ 'ھادیہ' میں ہوئی۔ کچھ سوشل میڈیا کی زینت بنے ہیں۔ اب کتابی صورت میں ان کی اشاعت سے ان شاء اللہ افادیت کا دائرہ بڑھے گا۔

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ زکوٰۃ کے جمع و صرف کے معاملے میں امت میں بیداری آئی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اپنی زکوٰۃ کیسے نکالیں؟ اور اسے کہاں کہاں صرف کر سکتے ہیں؟ یہ کتابچہ ان شاء اللہ ان کے بہت سے سوالات کے اطمینان بخش جوابات فراہم کرے گا۔

جماعت اسلامی ہند کی جانب سے دو برس قبل 'زکوٰۃ سینٹر (انڈیا)' کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس کے ذریعے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام برپا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختصر عرصے میں اس ادارہ کی کارکردگی الحمد للہ اطمینان بخش اور قابلِ ستائش رہی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب زکوٰۃ سینٹر کی جانب سے شائع کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ اس کے ذریعے مسائلِ زکوٰۃ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مقبولیت عطا فرمائے اور اس کے اجر سے نوازے۔ آمین، یارب العالمین!

محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری شریعہ کونسل جماعت اسلامی ہند

۱۹/شعبان ۱۴۴۴ھ
۱۲/مارچ ۲۰۲۳

مقدمہ

نماز اور روزہ کی طرح مسلمانوں پر زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ نماز اور روزہ جسمانی عبادتیں ہیں اور ہر مسلمان پر فرض ہیں، جب کہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور صرف مال دارمسلمانوں پر فرض ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والوں اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنا مال اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی قرآن مجید میں بہت سی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں بہت اجر و انعام کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (لقمان: ۳ ۔ ۵)

”ہدایت اور رحمت نیکوں کارلوگوں کے لیے ہے، جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“

جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ اپنے لیے قیامت میں عذاب کا سامان کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

”جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کا یہ مال ایک بہت زہریلے اور گنجے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگا۔ وہ ان کی گردن میں لپٹ جائے گا اور ان کے دونوں جبڑوں کو نوچے گا اور کہے گا:”میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔“ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ(آل عمران:۱۸۰)"جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔"(بخاری:۱۴۰۳)

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے کچھ قبیلوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو خلیفۂ اول حضرت ابو بکرؓ نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح کافروں سے کی جاتی ہے اور فرمایا:

وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ (بخاری:۱۴۰۰)

"اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔"

زکوٰۃ موجبِ تزکیہ بھی ہے اور غریبوں کی امداد کاذریعہ بھی

زکوٰۃ کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس سے تزکیہ ہوتا ہے۔ مال کا بھی اور دل کا بھی۔ زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ پاک ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے آدمی کا بقیہ مال پاک ہوجاتا ہے، اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، اس کے دل میں مال کی محبت کم ہوتی اور اللہ کی محبت بڑھتی ہے، اس کی مرضی کے کام انجام دینے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ غریبوں کی امداد ہوتی ہے، سماج میں بھائی چارہ، ایثار، ہم دردی اور غم گساری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج کم ہوتی اور باہمی تعاون بڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی معاشیات کا بنیادی اصول اور اہم ترین وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں مال صرف مال داروں کے درمیان محصور ہو کر

نہیں رہتا، بلکہ وہ غریبوں تک بھی پہنچتا ہے اور اس کی گردش پورے سماج میں جاری رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (الحشر:۷)

"تاکہ وہ (مال) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

صدرِ اول کا نمونہ

اسلام آیا تو اس وقت سماج میں عدم مساوات کے متعدد عوامل موجود تھے۔ امیروں اور غریبوں کے درمیان وسیع خلیج پائی جاتی تھی۔ امیر اپنی عیش و عشرت میں مگن تو غریب نانِ شبینہ کے محتاج تھے۔ اسلام نے امیروں کے دلوں میں غریبوں سے ہم دردی کا جذبہ پیدا کیا، ان کے کام آنے اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے کی ترغیب دی اور ایسے احکام دیے جن سے مال غریبوں تک پہنچے۔ اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد اس کی بنیادی ذمے داری قرار پائی کہ وہ تمام شہریوں کا خیال رکھے، ان کی ضرورتیں پوری کرے اور غریبوں اور محتاجوں کی کفالت کرے۔ چنانچہ مال داروں سے زکوٰۃ وصول کرنا اور غریبوں تک پہنچانا حکومت کا کام قرار دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو انھیں وہاں کے لوگوں کو اس چیز کی بھی تعلیم دینے کی ہدایت فرمائی:

فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ (بخاری: ۱۴۹۶، مسلم: ۱۹)

"انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لیا جاتا ہے اور غریبوں پر لوٹایا جاتا ہے۔"

اسلامی حکومت کے اپنی ذمہ داری پہچاننے اور نظامِ زکوٰۃ کے اس کی صحیح اور کامل شکل میں نافذ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماج میں مال و دولت کی بنیاد پر تفریق

و تفاوت کا خاتمہ ہوگیا، خوش حالی عام ہوئی، فقر و فاقہ کا ازالہ ہوگیا،پیداواری عمل اور کاروبار کے لیے ماحول ساز گار ہوا اور سماج کے تمام افراد اسبابِ معاش فراہم کرنے میں لگ گئے۔ اس کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد میں یمن میں حکومتی سطح پر وصول کی گئی زکوٰۃ کا کچھ حصہ دار الخلافہ بھیجا تو حضرت عمر فاروقؓ نے دریافت کیا کہ تم نے اسے مقامی سطح پر ہی غرباء و مساکین میں کیوں نہیں خرچ کر دیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اب یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں بچا ہے۔ اسی طرح اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد میں ان کے مصری گورنر نے انھیں خبر دی کہ سماج کے تمام افراد مال دار ہوگئے ہیں، زکوٰۃ و صدقات کی رقم لینے والا کوئی نہیں ہے۔

موجودہ دورمیں مسلمانوں کی حالتِ زار

موجودہ دور میں ہندوستان کی سطح پر دیکھا جائے تو معاشی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے۔ وہ تعلیم، صحت، روزگار، سرکاری ملازمتوں وغیرہ، ہر میدان میں ملک کی دیگر مذہبی و تہذیبی اکائیوں سے پیچھے ہیں۔ ماضی قریب میں سرکاری سطح پر تیار کی جانے والی سچر کمیٹی رپورٹ نے ان کی غربت، پس ماندگی اور پچھڑے پن کو نمایاں کر دیاہے اور ملک کے مختلف صوبوں میں اور بہ حیثیت مجموعی پورے ملک کی سطح پر ان کی تعلیمی، سماجی اور معاشی حالت کو اعداد و شمار کی روشنی میں ظاہر کیا ہے۔ اگر چہ ملک میں مال دار مسلمان بھی قابلِ لحاظ تعداد میں ہیں، لیکن ان کا سرمایہ پوری ملت کو معاشی اعتبار سے اوپر اٹھانے میں کام نہیں آتا۔ بہت سے مال دار مسلمان عیش و عشرت کے دل دادہ اور اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔ جو با حیثیت اور صاحبِ ثروت مسلمان اپنے مال میں غریبوں کا بھی حصہ سمجھتے ہیں اور حسبِ توفیق ان پر خرچ کرتے ہیں ان کا انفاق اتنا غیر منظّم ہوتا ہے کہ کچھ بھی ثمر بار نہیں ہوتا اور مسلمانوں کی مجموعی حالت میں بھی سدھار نہیں لاتا۔ اگر موجودہ دور میں مسلمان

صحیح طریقے سے نظم زکوٰۃ قائم کر لیں اور احکام شریعت کے مطابق اس کی جمع و تقسیم کی منصوبہ سازی کر لیں تو اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے اور وہ صدر اول کی طرح ان کی دنیاوی برکتوں سے بھی فیض یاب ہوں گے۔

زکوٰۃ کا اجتماعی نظم مطلوب ہے

تمام اسلامی عبادات میں اجتماعیت کی روح پائی جاتی ہے۔ پنج وقتہ نمازیں فرض کی گئیں تو ساتھ ہی ان کی با جماعت ادائیگی کی بھی تاکید کی گئی۔ روزے فرض کیے گئے تو پوری امت کو متعین دنوں میں ایک ساتھ روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حج فرض کیا گیا تو اس کے لیے ایک خاص مقام پر ایک خاص مہینہ اور وقت مقرر کیا گیا اور تمام لوگوں کے لیے اس کی پابندی لازم قرار دی گئی ۔ اگر ہر شخص کو اجازت ہوتی کہ وہ تنہا جب چاہے نماز پڑھ لے، جب چاہے روزہ رکھ لے اور جب چاہے حج کر آئے تو ان عبادتوں کی ادائیگی کا وہ اہتمام نہ ہوتا جو ہم دیکھتے ہیں۔ اجتماعیت کی یہی روح زکوٰۃ کے معاملے میں بھی پائی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بہت سے مقامات پر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے بھی اس کی اجتماعی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح نماز کی ادائیگی جماعت کے ساتھ فرض ہے اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم بھی اجتماعی طور پر ہونی چاہیے۔ کسی مسلمان کا انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسے بغیر جماعت کے نماز ادا کرنا۔ ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ مختلف احتیاطی تدابیر بتائی گئی ہیں، مثلاً زکوٰۃ دے کر کسی پر احسان نہ جتایا جائے، اس سے بدلہ یا شکریہ کی خواہش نہ رکھی جائے، نمود و نمائش اور ریاکاری سے بچا جائے، وغیرہ۔ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام انسان کو ان تمام خرابیوں سے بچاتا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کو عام طور پر زکوٰۃ کے اجتماعی نظم کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ اسی لیے ان کی طرف سے اس کے قیام کی شعوری کوشش بھی

نہیں ہوتی۔ جو خوش حال مسلمان ایک دینی فریضہ سمجھ کر زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں ان کی ایک بڑی تعداد اپنی دولت کا ٹھیک ٹھیک حساب کرکے زکوٰۃ نہیں نکالتی اور جو پورا پورا حساب کرکے زکوٰۃ نکالتے ہیں ان کی اکثریت اس رقم کو اپنی صواب دید پر خرچ کر لیتی ہے۔ ان کی طرف سے یہ کوشش نہیں ہوتی کہ منظم طریقے سے زکوٰۃ کی رقمیں جمع کی جائیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ متعینہ مصارف میں انھیں خرچ کیا جائے۔ مولانا ابو اکلام آزادؒ نے زکوٰۃ کے اجتماعی نظم پر بہت زور دیا ہے اور اسے شرعی طور پر مطلوب و مستحسن قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”اگر مسلمان آج کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآن کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بہ خود پیدا ہوجائے گا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکامِ قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے، یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔“ (ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی، ۱۹۶۸ء، ۳: ۴۲۴۔۴۲۵)

زکوٰۃ کا اجتماعی نظم ہندوستان جیسے عظیم ملک میں بھی، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، قائم ہونا چاہیے۔ مولانا آزادؒ نے اس جانب توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے:

> ”لوگوں نے سمجھ لیا، زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کرکے ایک رقم نکال لیں اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں، حالاں کہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن مجید نے حکم دیا ہے اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امینِ زکوٰۃ یا بیت المال کے حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے وہ دیدہ و دانستہ حکمِ شریعت سے انحراف کرتی ہے اور یقیناً عند اللہ اس کے لیے جواب دہ ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں، اس لیے مسلمان مجبور ہوگئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے

تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا ،جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کر لیں، یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہوجائیں ،یا اقلاً ویسی انجمنیں بنا لیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لیے، بلکہ بعض حالتوں میں بدع محدثات کے لیے انھوں نے جا بہ جا بنا لی ہیں۔" (ترجمان القرآن: ۳/۴۲۸۔۴۲۹)

پیداواری فقراء میں تقسیمِ زکوٰۃ کی ضرورت

اموالِ زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے والے فقراء ومساکین کی بنیادی طورپر دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن کی معاشی حالت انتہائی خستہ ہوتی ہے۔ ان کے پاس گزر اوقات کاکوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ وہ نانِ شبینہ کے محتاج ہوتے ہیں، جیسے بوڑھے، اپاہج، معذور، مریض، بیوہ اور انتہائی غریب افراد۔ انہیں جو کچھ دیاجاتاہے وہ ان کی بنیادی ضرورتوں میں خرچ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو غیر پیداواری فقراء(Non Productive Poors) کہاجاتاہے۔دوسرے وہ لوگ ہیں جنہیں جسمانی طورپر کوئی عذر نہیں ہوتا، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی کاروبار نہیں کرسکتے۔ اگر انہیں کچھ رقم فراہم کردی جائے، کوئی مشین یا اوزار خرید کردے دیاجائے، یاکوئی ہنر سکھادیاجائے تو وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکتے ہیں اور اپنے متعلقین کی کفالت کرسکتے ہیں۔ ایسے لوگ پیداواری فقراء(Productive Poors)کہلاتے ہیں۔عموماً دیکھا گیاہے کہ اموالِ زکوٰۃ کا غالب حصہ غیر پیداواری فقراء میں تقسیم ہوجاتاہے اور مال دار مسلمانوں کی توجہ پیداواری فقراء کی ضروریات کی تکمیل کی جانب نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک عمل سے واضح ہوتاہے کہ پیداواری فقراء کو خود کفیل بنانے کی بھی شعوری کوشش ہونی چاہیے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دستِ سوال دراز کیا۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا:''کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں؟''اس نے جواب دیا:''ایک چادر ہے، جس کا کچھ حصہ ہم بچھاتے اور کچھ اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔''آپؐ نے فرمایا:''دونوں لے آؤ۔''وہ انہیں لے کر آیا تو آپؐ نے اعلان کیا: ان دونوں کو کون خریدے گا؟ایک شخص نے ایک درہم قیمت لگائی۔ آپؐ نے فرمایا: انہیں ایک درہم سے زیادہ میں کون خریدے گا؟ دوسرا شخص دو درہم دینے پر تیار ہوگیا۔آپؐ نے اس شخص سے فرمایا:''ایک درہم سے کھانے کا سامان خرید کر گھر والوں کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔''وہ شخص کلہاڑی خرید کر لایا تو آپؐ نے اس میں اپنے دستِ مبارک سے دستہ لگایا۔پھر فرمایا:''جاؤ اس کے ذریعہ لکڑیاں کاٹو اور بیچو، میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں۔''اس شخص نے ایسا ہی کیا۔اسے دس درہم حاصل ہوئے۔ اس نے اس رقم سے پہننے کے لیے کپڑا اور کھانے کے لیے غلّہ خریدا۔وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:''یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم دستِ سوال دراز کرو اور یہ چیز روزِ قیامت تمہارے چہرے پر دھبّے کی شکل میں ظاہر ہو۔''(ابو داؤد:۱۶۴۱،ابن ماجہ: ۲۱۹۸)

عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر بھی خرچ کیاجائے

موجودہ دور میں زکوٰۃ کا بڑا حصہ دینی مدارس کے غریب ونادار طلبہ کی ضروریات پر خرچ ہوتاہے۔ ماہِ رمضان میں تقریباً ہر چھوٹے بڑے مدرسے سے سفراء ومحصّلین کی جماعت صنعتی اور بڑے شہروں کا رخ کرتی ہے اور اصحابِ ثروت مسلمانوں سے رجوع کرکے اپنے اپنے مدرسے کے لیے چندہ وصول کرتی ہے۔ ان مدارس کے سالانہ مصارف کا بڑا حصہ زکوٰۃ کی مد میں حاصل ہونے والی رقوم سے

پوراہوتاہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ مدارس ملّت کی اہم ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ملت اپنی دینی وتہذیبی شناخت کھوبیٹھتی۔ اس لیے زکوٰۃ وصدقات کا یہ بہترین مصرف ہیں۔ لیکن ساتھ ہی موجودہ دور میں اس چیز کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اموال زکوٰۃ سے عصری تعلیم حاصل کرنے والے غریب ومستحق طلبہ کی بھی مالی امداد کی جائے۔ موجود ہ دور میں جدید اور عصری علوم کے وسیع افق وَاہوگئے ہیں۔ میڈیکل، انجینئرنگ،زراعت، کمپیوٹر وغیرہ کی بہت سی شاخیں ہیں۔ ان علوم میں مسلمانوں کا تناسب عالمی اور ملکی دونوں سطحوں پر انتہائی کم ہے۔ غربت اور وسائل کی عدم فراہمی کی بناپر مسلم طلبہ یہ علوم حاصل ہی نہیں کرپاتے اور جو حاصل کرتے ہیں وہ آگے نہیں بڑھ پاتے۔ ضرورت ہے کہ ان علوم کی تحصیل کے لیے مسلم طلبہ کی ہمت افزائی کی جائے اور اموالِ زکوٰۃ سے اسکالرشپ کی شکل میں ان کی امداد کی جائے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ہر وہ علم جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بنے اور اس سے خلقِ خدا کو فائدہ بھی پہنچے، اس کا حصول مطلوب ومستحسن ہے۔ اس معاملے میں دینی وعصری کی تقسیم صحیح نہیں ۔ دینی علم اگر نام ونمود اور دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے تو وہ نامحمود ہے اور عصری علم اگر تقربِ الٰہی کا ذریعہ بن جائے اور نافع ہوتو محمود ہے۔ اس لیے عصری علوم حاصل کرنے والے غریب طلبہ کو بھی مستحقینِ زکوٰۃ کی فہرست میں شامل کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

فی سبیل اللہ کی مد میں توسیع

مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف 'فی سبیل اللہ' ہے۔ موجودہ دور میں اس کی تعبیر وتشریح میں تین قسم کی آراء پائی جاتی ہیں: علماء کی اکثریت 'تضییق' (یعنی اس مد کو محدود ترکرنے) کی قائل ہے۔ وہ 'فی سبیل اللہ' کو عسکری جہاد کے معنٰی میں لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صدرِ اوّل سے اب تک تمام محدثین، مفسرین اور فقہاء سے یہی منقول ہے۔ گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔ بعض علماء 'تعمیم' (یعنی اس مد کو وسیع

تر کرنے) کے قائل ہیں۔ وہ اس سے تمام وجوہِ خیر مراد لیتے ہیں اور ہر اچھے کام کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیتے ہیں ۔علماء کا ایک تیسرا طبقہ بھی ہے، جس نے بین بین کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ نہ تو ایسی تعمیم کا قائل ہے جو دین کے نام پر ہونے والے ہر کام کو محیط ہو اور نہ اس کے نزدیک ایسی تنگی ہے کہ اس مصرف کے تحت مالِ زکوٰۃ کو قتال کے علاوہ احیائے دین کے کسی کام پر خرچ نہ کیاجاسکتاہو۔ان کے نزدیک جہاد بالسلاح کا مقصود چوں کہ اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ جس طرح قتال سے ہوتاہے اسی طرح داعیوں کی تیاری اور ان کی مدد اور تعاون کے ذریعہ دعوت الی اللہ اور اشاعتِ دین سے بھی ہوتاہے، لہٰذا دونوں طریقے جہاد ہی کے ہیں۔ اسلام پر آج ملحدین، یہود ونصاریٰ اور دشمنانِ دین کی طرف سے فکری اور عقائدی حملے ہورہے ہیں اور دوسروں کی طرف سے انہیں مادی اور معنوی مدد مل رہی ہے۔ ان حالات میں انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان ان کا مقابلہ انہی ہتھیاروں سے کریں جن سے وہ اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ اس رائے کے حاملین 'فی سبیل اللہ' کو جہاد فی سبیل اللہ کے معنیٰ میں لیتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک جہاد اپنے درجات اور مراحل کے اعتبار سے عسکری نوعیت کا بھی ہوتاہے اور نظری وفکری بھی۔غرض خالصتاً اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد سے کی گئی ہر جدّوجہد پر 'فی سبیل اللہ' کا اطلاق ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجلہ فقہ اسلامی، قاضی پبلشرز ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء جزء دوم، زکوٰۃ کے مصارف، مولانا عتیق احمد بستوی، مکتبہ حرا، لکھنؤ، ۱۹۹۲، اسلامی فقہ اکیڈمی، مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے، طبع دہلی، ۲۰۰۱ء)

مذکورہ بالا تینوں آراء میں سے تیسری رائے موجودہ حالات میں قابل ترجیح ہے۔ اس کی رو سے اسلام پر مخالفین کی جانب سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے اور اسلامی تعلیمات کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کے مقصد سے قائم کیے جانے والے علمی وتحقیقی ادارے اور اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ بگاڑنے کی مذموم کوششوں کا توڑ کرنے کے لیے ذرائعِ ابلاغ کے مراکز بھی زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

'فی الرقاب' کی عصری تعبیر

زکوٰۃ کا ایک مصرف 'فی الرقاب' ہے۔ اس کا مطلب ہے گردن چھڑانا۔ علماء نے اس سے غلاموں کو آزاد کرانا مراد لیاہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں انسانوں کو غلام بنانے کی قبیح رسم موجود تھی۔انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کے قبضے میں رہتے تھے اور ان سے جانوروں کی طرح کام لیاجاتاتھا۔ اسلام نے انہیں آزاد کرنے کی ترغیب دی، دوسروں کے قبضے سے انہیں آزاد کرانے کو کارِ ثواب قرار دیا اور اس کام کو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے ایک مصرف قرار دیا۔ اب جب کہ دنیا سے غلامی کا خاتمہ ہوگیا ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ مدموقوف ہوگئی ہے۔

موجودہ دور میں ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے حالات اتنے سخت ہوگئے ہیں کہ مصرفِ زکوٰۃ 'فی الرقاب' کی نئی تعبیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مسلم نوجوان بڑے پیمانے پر ریاستی دہشت گردی کا شکار ہیں۔ بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگاکر انہیں جیلوں میں بند کردیاجاتاہے۔ مختلف دفعات کے تحت ان کے خلاف قائم کیے جانے والے مقدمات کا طویل سلسلہ چلتاہے۔ مالی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی صحیح طریقے سے پیروی نہیں ہوپاتی، جس کی بناپر طویل عرصے تک ان کی رہائی نہیں ہوپاتی اور ان کی جوانی کے قیمتی ایام جیل کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے گزرجاتے ہیں۔ان نوجوانوں کی حالت زمانۂ قدیم کے غلاموں سے بدتر ہوتی ہے۔ وہ اپنی گلوخلاصی کے لیے کوئی تدبیر بھی نہیں پاتے۔ ایسے مظلوم وبے سہارا افراد کی رہائی کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنا، ان کے مقدمات کی پیروی کرنا، انہیں قید وبند سے چھٹکارا دلانا اور ان کی فلاح وبہبود کے دیگر کام انجام دینا وقت کا اہم تقاضا ہے اور اس میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرنا ہندوستانی مسلمانوں کے لیے موجودہ دور کی ایک

اہم ضرورت ہے۔ اسے منظم طریقے سے جمع کرنے اور منصوبہ بندی کے ساتھ تقسیم کرنے سے ان کے بہت سے معاشی مسائل حل ہوسکتے ہیں اور وہ اس کی دنیوی برکتوں سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔

ایک چیز پر زکوٰۃ کی ادائیگی بار بار کیوں؟

سوال (۱)

ایک ہی چیز پر زکوٰۃ ہر سال اور بار بار ادا کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب:

عبادات میں سے کچھ زندگی میں صرف ایک بار فرض ہیں، جیسے حج۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران: ۹۷) ”لوگوں پر یہ اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔“ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيكُمُ الحَجَّ فَحُجُّوا۔ (لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، اس لیے حج کرو۔) ایک شخص نے سوال کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال؟“ آپ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے گا لیکن پھر تم ہر سال نہیں کر سکو گے۔“ (مسلم: ۱۳۳۷)

لیکن کچھ عبادات وقت اور زمانہ کے ساتھ فرض کی گئی ہیں، مثلاً نمازوں کی فرضیت مخصوص اوقات کے ساتھ ہے۔ جب بھی وہ اوقات آئیں گے، نماز فرض ہوگی۔ روزہ کی فرضیت ماہِ رمضان کے ساتھ ہے۔ جب بھی رمضان آئے گا، روزہ رکھنا فرض ہوگا۔

اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت اس مال پر ہے جو مالک کے پاس ایک برس تک رہا ہو۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: لا زَكاةَ فِي مَالٍ حَتّىٰ يَحُولَ عَلَيهِ الحَول۔ (ابن ماجہ: ۱۷۹۲) ”مال میں اس وقت زکوٰۃ ہے جب اس پر ایک برس گزر جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کسی مال پر ایک برس گزرے گا، اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

نصابِ زکوٰۃ اور صاحبِ نصاب

سوال(۲)

صاحبِ نصاب کس کو کہتے ہیں ؟ زکوٰۃ کس شخص پر واجب ہے؟

جواب:

مال کی جس مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اسے نصاب کہتے ہیں اور جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جتنے پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے اسے صاحب نصاب کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب سونے اور چاندی میں متعین کیا گیا ہے:

سونے کا نصاب ۲۰/ مثقال (یعنی ساڑھے سات تولہ)ہے۔ یہ موجودہ دور میں ۸۵/ گرام کے بہ قدر ہے۔

چاندی کا نصاب ۲۰۰/ درہم(یعنی ساڑھے باون تولہ) ہے۔ یہ موجودہ دور میں ۵۹۵/ گرام کے بہ قدر ہے۔

حدیث میں سونا اور چاندی دونوں کا نصاب بتایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ۲۰/ مثقال سونے کی مالیت ۲۰۰/ درہم کی مالیت کے بہ قدر تھی، لیکن آہستہ آہستہ دونوں میں کافی تفاوت ہوگیا ہے۔

نقد رقم کا نصاب متعین کرنے کے لیے علماء نے چاندی کے نصاب کو معیار (Standard) مانا ہے،یعنی اگر کسی کے پاس اتنی رقم سال بھر تک رہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اسے صاحبِ نصاب مانا جائے گا۔

بعض علما کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں، جب کہ سونا اور چاندی کی قیمتوں میں بہت زیادہ تفاوت ہوگیا ہے اور بہت سے غریب لوگوں کے پاس بھی چاندی کا نصاب پورا ہوجاتا ہے، سونے کے نصاب کو اسینڈرڈ بنانا چاہیے۔ ان کی یہ تجویز معقول معلوم ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار

سوال(۳)

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ کم از کم ڈھائی فی صد (2.5%) ہے، چنانچہ اس سے زیادہ بھی نکال سکتے ہیں، مثلاً پانچ فی صد یا دس فی صد۔ اب فرض کیجیے کہ پانچ فی صد کے حساب سے میری زکوٰۃ دو ہزار روپے بنتی ہے۔ میں کسی جماعت یا ادارہ کو پانچ ہزار روپے دوں تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ پوری رقم زکوٰۃ کی ہے، یا یہ بتانا ہوگا کہ اس میں دو ہزار روپے زکوٰۃ کے اور تین ہزار روپے عطیہ ہیں؟

جواب:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو اسے چاہیے کہ وہ شکرانے کے طور پر دوسرے غریب اور ضرورت مند انسانوں پر خرچ کرے۔ قرآن میں ہے:

وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (الذاریات: ۱۹)

"اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔"

مال خرچ کرنے کو انفاق کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں انفاق کی ترغیب دی گئی ہے اور اللہ کی خوش نودی کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کے پاس اس کی اپنی بنیادی ضروریات سے زیادہ جتنا مال ہو، سب خرچ کردے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ. قُلِ الۡعَفۡوَ (البقرۃ: ۲۱۹)

"پوچھتے ہیں: ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو۔"

انفاق کی ایک مخصوص صورت زکوٰۃ کی ہے۔ جس شخص کے پاس کم از کم مال

کی ایک متعین مقدار [ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی مالیت کے بقدر نقد رقم] ہو اور وہ سال بھر اس کے پاس محفوظ رہے تو اس میں سے ڈھائی فی صد نکالنا اور اس کی مخصوص مدات میں اسے خرچ کرنا اس پر فرض ہے۔ اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

جس شخص پر جتنی رقم بہ طور زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ خرچ کرسکتا ہے۔ اس پر وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا، لیکن ڈھائی فی صد سے اوپر کی رقم کو زکوٰۃ نہیں کہا جاسکتا، اسے صدقہ، خیرات، عطیہ، ہبہ، اعانت، کچھ بھی کہا جاسکتا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں اور ہر فرض کی رکعتیں بھی متعین کردی ہیں ۔ کوئی شخص ان اوقات میں مزید نمازیں پڑھ سکتا ہے، لیکن ان کی حیثیت نوافل کی ہوگی، وہ فرض رکعتوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کرسکتا۔

زکوٰۃ اور صدقات کو الگ الگ رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے، کیوں کہ زکوٰۃ صرف مخصوص مدات میں خرچ کی جاسکتی ہے، جن کی صراحت قرآن کریم (التوبۃ: ۶۰) میں کردی گئی ہے، جب کہ صدقات کی رقمیں ہر کارِخیر میں صرف کی جاسکتی ہیں۔ جو تنظیمیں یا ادارے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں وہ بھی زکوٰۃ اور صدقات کا الگ الگ حساب رکھتے ہیں، اس لیے انھیں کوئی رقم حوالے کرتے وقت یہ صراحت مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس میں سے اتنی رقم زکوٰۃ کی ہے اور اتنی عطیہ ہے۔

سرکاری ملازمین اپنی زکوٰۃ کیسے نکالیں؟

سوال:(۴)

اب عموماً سرکاری ملازمین کامشاہرہ ان کے اکاؤنٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح ہر ماہ اکاؤنٹ میں رقم آتی رہتی ہے اور حسبِ ضرورت خرچ ہوتی رہتی ہے۔ یہ حضرات زکوٰۃ کا حساب کیسے کریں؟ اور زکوٰۃ کس رقم پر دیں؟

جواب:

ایک سال کی ابتدا اور اختتام پر اگر کوئی شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہے تو درمیانِ سال میں اس کے مال میں کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر سال کے درمیان میں کسی وقت اس کا مال بالکل ختم ہوگیا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دوبارہ نصابِ زکوٰۃ کا مالک بننے کے بعد از سر نو سال گزرنے کا حساب کیا جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک شخص ہر سال رمضان میں اپنی زکوٰۃ نکالتا ہے۔ گزشتہ سال اس کے پاس ایک لاکھ روپے تھے۔ چھے ماہ کے بعد اس نے یہ پوری رقم کسی کام میں خرچ کرلی۔ کچھ دنوں بعد پھر اس کے پاس ایک لاکھ روپے آگئے تو اس رمضان میں اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ جب تک کہ دوبارہ حاصل شدہ اس رقم پر ایک سال نہ گزر جائے۔

لیکن اگر سال کے درمیان کسی وقت پوری رقم خرچ نہیں ہوئی ہے، اس کا کچھ حصہ باقی رہا ہے تو سال کے آخر میں جتنی رقم ہوگی اس کے حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے پاس سال کی ابتدا میں ایک لاکھ روپے

تھے۔ درمیانِ سال اس میں سے کچھ رقم خرچ ہوتی رہی اور کچھ رقم کا اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سال کے آخر میں اس کے پاس تین لاکھ ہیں تو اب اسے تین لاکھ روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ یہ اضافہ شدہ رقم اصل نصاب کے تابع ہوگی۔

یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ شوافع کے نزدیک اضافہ شدہ رقم پر بھی سال کا گزرنا ضروری ہے، تبھی اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

بچہ اور مجنون پر زکوٰۃ؟

سوال:(۵)

کیا کوئی بچہ یا مجنون اگرصاحبِ نصاب ہوتو اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

جواب:

اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بچے اورمجنون کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ یہ رائے صحابہ وتابعین میں سے حضرت عمرؓ اوران کے صاحبِ زادے عبداللہؓ، حضرت علیؓ اور ان کے صاحب زادے حسنؒ، عائشہؓ، جابرؓ، ابن سیرینؒ، مجاہدؒ، ربیعہؒ ابن عیینہؒ اور ابوعبیدہؒ وغیرہ سے مروی ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے :

اَلاَ مَنْ وَلِیَ یَتِیْمًا لَهٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ فِیْهِ، وَلاَ یَتْرُکْهُ حَتّٰی تَاْکُلُهُ الصَّدَقَةُ (ترمذی:۶۴۱)

”سن لو، جو شخص کسی ایسے یتیم کا سرپرست ہوجس کے پاس کچھ مال ہو تووہ اسے تجارت میں لگادے، اسے اپنے پاس رکھے نہ رہے، ورنہ وہ صدقہ میں پورا تلف ہوجائے گا۔“

اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ مال پر واجب ہوتی ہے۔ ولی زکوٰۃ نکالنے میں بچے اورمجنون کی قائم مقامی کرے گا۔ اگروہ نہ نکالے تو بچے کے بالغ ہونے کے بعد اورمجنون کے صحت یاب ہونے کے بعد انہیں سابقہ مدت کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اورامام ثوریؒ وامام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ تو واجب ہوگی، لیکن ولی پر اسے نکالنا واجب نہیں، بلکہ بچہ جب بالغ ہوجائے اورمجنون جب صحت یاب ہوجائے تب وہ خود نکالیں گے۔

مذکورہ بالا حدیث، جس سے استدلال کیاگیا ہے، اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ اس کی سند میں ایک راوی مثنیٰ بن الصباح کومحدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

صحابۂ کرام میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اورحضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اوریہی امام ابوحنیفہؒ کی بھی رائے ہے کہ بچے اورمجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مجنون جب تک اس کی عقل درست نہ ہوجائے اوربچہ، جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے، احکام کے مکلّف نہیں ہیں۔ (ابوداؤد۴۳۹۸، ۴۴۰۳، ترمذی۱۴۲۳، ابن ماجہ ۲۰۴۲)

کس شخص پرزکوٰۃ نہیں ہے؟

سوال:(۶)

آدمی کتنے مال کا مالک ہوتب اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی؟براہ کرم یہ بھی واضح فرمائیں کہ کن کن صورتوں میں آدمی پرزکوٰۃ فرض نہیں ہوتی؟

جواب:

کسی شخص کے پاس نصاب سے کم مال ہوتو اس پر زکوٰۃ نہیں۔(نصاب سونا ساڑھے سات تولہ اورچاندی ساڑھے باون تولہ ہے۔ کسی کے پاس کچھ سونا،کچھ چاندی اور کچھ نقدی ہو،سب مل کرچاندی کے نصاب کے برابر پہنچ جائیں توزکوٰۃ عائد ہوگی۔)

- کسی شخص کے پاس مال ودولت بہت ہولیکن ابھی اس پر ایک سال نہ گزرا ہوتو اس پرزکوٰۃ نہیں ۔(وہ نصاب کا مالک ہو،اس پرایک سال گزرگیاہو،مزید کچھ رقم اس کے پاس آگئی ہوجس پرسال نہ گزرا ہوتو سب پرزکوٰۃ عائد ہوگی۔)
- آدمی چاہے جتنا کماتاہو،اگر سال پوراہونے سے پہلے خرچ ہوجائے تواس پرزکوٰۃ نہیں۔
- پلاٹ،جسے تجارتی مقصد سے نہ خریدا گیا ہو،اس پرزکوٰۃ نہیں۔
- مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے،آدمی کے پاس چاہے جتنے مکانات ہوں۔
- جومکان کرایہ پراٹھے ہوئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔(کرایہ کی رقم سال بھر محفوظ رہے تب اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔)
- کرایہ کی دوسری چیزوں پربھی زکوٰۃ نہیں، مثلاً کوئی شخص سائیکلیں کرایے پردیتا ہو، یا ٹینٹ کا سامان کرایے پراٹھاتاہو،یاشادی گھربنارکھاہو،اسے کرایے پردیتاہو، اس پر زکوٰۃ نہیں۔اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سال بھرمحفوظ رہے تب زکوٰۃ عائدہوگی۔

- کارخانہ کی مشینوں پرزکوٰۃ نہیں۔
- دکان پرزکوٰۃ نہیں۔(اس میں جومال ہے اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔)
- ہیرے کے استعمالی زیورات پرزکوٰۃ نہیں۔(کوئی شخص ہیروں کی تجارت کرتاہوتو مال تجارت کی حیثیت سے اس پرزکوٰۃ عائد ہوگی۔)
- قرض لینے والے پرزکوٰۃ نہیں ۔ (قرض دینے والے پرزکوٰۃ عائد ہوگی۔)
- جس قرض کے واپس ملنے کی امید ختم ہوگئی ہواس پرزکوٰۃ نہیں۔
- نابالغ پرزکوٰۃ نہیں۔(اس لیے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اورنابالغ اس کا مکلّف نہیں ۔)
- کھیت پرزکوٰۃ نہیں، اسی طرح ہل بیل پرزکوٰۃ نہیں۔(کھیت کی پیداوارپرزکوٰۃ ہے۔ پیداواربارش سے ہوتودس(۱۰)فی صد،سینچائی سے ہو تو پانچ (۵) فی صد۔)
- گھریلویاتجارتی اسباب(مثلاً فریج،واشنگ مشین، اے سی، موٹرسائیکل، کار، ٹریکٹر، بس،ٹرک وغیرہ)پر زکوٰۃ نہیں ۔
- کوئی شخص ذاتی کلینک یا اسپتال چلاتاہوتوعمارت اورطبی آلات پرزکوٰۃ نہیں۔

زکوٰۃ کن کن چیزوں پر نکالنا ضروری ہے؟

سوال:(۷)

کیا زکوٰۃ ہر مال پر ہے؟ یا کچھ اموال پر ہے، باقی پر نہیں ہے۔ براہِ کرم وضاحت فرمادیں۔

جواب:

زکوٰۃ 'مال نامی' (یعنی بڑھنے والے مال) پر فرض کی گئی ہے:

(۱) سونا، چاندی اور ان سے بنی ہوئی چیزیں، جیسے زیورات، برتن، سکّے وغیرہ۔ ان چیزوں کو اسلام میں تجارت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ان پر ہر صورت میں زکوٰۃ لازم ہے، چاہے کوئی ان کے زیورات بنا کر رکھے، یا انہیں ٹکڑوں کی شکل میں محفوظ کرلے۔

(۲) نقد رقم، خواہ کرنسی کی شکل میں ہو، یا سرٹیفکٹ، بانڈ وغیرہ کی شکل میں۔

(۳) مالِ تجارت۔

- اگر کوئی شخص کسی کارخانے کا مالک ہے تو اس کی ان مصنوعات پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی جو ابھی فروخت نہیں ہوئی ہیں اور جن کا ابھی اسٹاک موجود ہے۔
- اگر کوئی شخص کسی دکان کا مالک ہے تو اس میں موجود تمام اموالِ تجارت پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔
- کارخانہ میں لگی ہوئی مشینوں اور سامان تیارکرنے والے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔
- مکان، زمین، جائیداد اگر تجارتی مقصد سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔
- کسی شخص کے پاس کئی مکانات ہوں اور انہیں اس نے کرایے پر اٹھا رکھا ہو، یا کچھ دوسری چیزیں ہوں جنہیں کرایے پر چلاتا ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں،

اگر بہ طور کرایہ حاصل ہونے والی رقم، تنہا یا دوسری رقموں کے ساتھ مل کر، نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ عائد ہوگی۔

●ذاتی استعمال کی چیزوں،مثلاً گاڑی،فرنیچر،برتن،کپڑوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) جانور، جو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں ۔(اونٹ، گائے بھینس اور بکریوں وغیرہ کا الگ الگ نصاب ہے۔)

(۵) زمین کی پیداوار، خواہ غلّہ ہو یا پھل، ترکاری وغیرہ

اس پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عُشر یا نصف عُشر کہتے ہیں ۔اگر پیداواربارش کے پانی سے یا بغیر سینچائی کے ہوئی ہو تو اس پر عُشر (یعنی 10%) نکالا جائے گا اور اگر سینچائی کی گئی ہو تو نصف عُشر(یعنی 5%)ادا کرنا ہوگا۔

کیا ہر مال کی زکوٰۃ الگ الگ نکالی جائے گی؟

سوال:(۸)

کیازکوٰۃ سونا، چاندی، پیسہ، زمین جائیداد کی الگ الگ نکالنی چاہیے؟

جواب:

●سونا چاندی کا الگ الگ نصاب ہے۔

●پیسہ اور زمین جائیداد(اگر تجارت کے لیے ہو تو اس) کی زکوٰۃ نکالنے لیے علما نے چاندی کو معیار مانا ہے۔

●اگر کسی شخص کے پاس کوئی مال نصاب کو نہ پہنچتا ہو، نصاب سے کم ہو تو بعض علما کے نزدیک اس پر زکوٰۃ نہیں۔

● اس سلسلے میں علمائے احناف کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ سب کی قیمت نکالی جائے گی۔ اگر ان سب کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر پہنچ جائے تو اسے صاحبِ نصاب مانا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ

سوال:(۹)

زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب:

- زکوٰۃ ڈھائی فی صد (یعنی مال کا چالیسواں حصہ) نکالی جاتی ہے۔
- وجوب زکوٰۃ کے لیے شرط ہے کہ مال آدمی کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔
- بنیادی ضروریات میں یہ چیزیں داخل ہیں:

(۱) اپنے اور اپنے اہل و عیال نیز زیر کفالت افراد سے متعلق روز مرّہ کے اخراجات۔

(۲)رہائشی مکان ، کپڑے، سواری، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر وسائلِ رزق، جن کے ذریعے کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے۔

(۳) بنیادی ضروریات ہر زمانہ ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیارِ زندگی کی روشنی میں طے ہوں گی۔

(۴) صرف سال بھر کے اخراجات کا اعتبار ہوگا۔

- زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ مال اس کے مالک کے پاس ایک سال تک رہا ہو۔اگر سال کی ابتدا میں اتنی رقم تھی جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی تھی، لیکن سال پورا ہونے سے پہلے وہ ختم ہوگئی تو اس پر زکوٰۃ نہیں عائد ہوگی۔ اگر سال کے شروع میں زکوٰۃ واجب ہونے کے بہ قدر رقم تھی،درمیان میں کم ہوگئی، لیکن سال کے آخر میں پھر اتنی رقم آگئی جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے تو درمیان کے چند مہینوں میں رقم کم ہونے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔مثلاً اگر کسی شخص کے پاس سال کے شروع میں پچاس ہزار روپے تھے اورسال کے آخر میں ستّر ہزار روپے ہوگئے تو اسے ستّر ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

زکوٰۃ سونے کے سکّوں پر یا زیورات پر؟

سوال:(۱۰)

ماں نے ایک خلیجی ملک سے چند سونے کے سکے خریدے اور وطن پہنچ کر انھیں بیچ کر کچھ زیورات بنوا لیے۔ جب زکوٰۃ کا حساب کریں گے تو سونے کے سکوں کے مطابق زکوٰۃ دینی پڑے گی یا ان سے بنوائے گئے زیورات پر؟

جواب:

سونا چاہے سکوں کی شکل میں ہو یا زیورات کی شکل میں، دونوں صورتوں میں اس پر زکوٰۃ عائدہوگی۔

سونا اور چاندی نصاب سے کم ہوں تو کیا انھیں ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

سوال: (۱۱)

زکوٰۃ کے لیے سونے اور چاندی کا الگ الگ نصاب متعین ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس اتنی مقدار میں سونا ہو کہ نصاب تک پہنچ جائے اور اتنی مقدار میں چاندی ہو کہ نصاب تک پہنچ جائے تبھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر دونوں الگ الگ اپنے نصاب سے کم ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر دونوں کو ملا کر ان کی مالیت کسی ایک کے نصاب کے برابر پہنچ جائے تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

جواب:

اگر کسی شخص کے پاس سونے اور چاندی کے زیورات اتنی مقدار میں ہوں کہ دونوں الگ الگ نصاب کو نہ پہنچتے ہوں تو ان پر وجوب زکوٰۃ کے معاملے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف اور مالکیہ کے نزدیک دونوں کو ملا کر اگر کسی ایک کا نصاب پورا ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ یہی امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کی بھی رائے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کو ملایا نہیں جائے گا۔ زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب دونوں یا ان میں سے کسی ایک کا نصاب پورا ہوجائے۔ امام احمدؒ سے دو رائیں مروی ہیں ۔ فقہاء کے اپنے اپنے دلائل ہیں، تفصیل کتبِ فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

زمین پر زکوٰۃ

سوال:(۱۲)

میں نے دس برس قبل چار لاکھ کی ایک زمین خریدی تھی، بس ایک پراپرٹی کی شکل میں کہ کبھی وقتِ ضرورت کام آئے گی۔ ہمارے ایک بہی خواہ کہتے ہیں کہ اس پر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے۔ براہِ کرم درج ذیل سوالات کے جوابات دے کر میری رہ نمائی فرمائیں:

(۱) کیا اس پر زکوٰۃ نکالنی لازم ہے؟ اگر ہاں تو اس کی موجودہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا قیمتِ خرید کا؟

(۲) جب بھی زمین فروخت کی جائے گی اس وقت زکوٰۃ نکالی جائے تو حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا قیمتِ خرید پر؟

(۳) اگر زکوٰۃ نکالنی ضروری نہیں ہے تو اس کے کیا دلائل ہیں؟

جواب:

کسی زمین کی خریداری کے وقت اگر اس کی تجارت کی نیت نہیں تھی تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسے فروخت کرنے کے بعد جو رقم ملے، دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی، اگر وہ رقم اس وقت موجود ہو جب اس کا مالک صاحبِ نصاب ہوا ہو۔

اگر کوئی زمین ابتدا ہی میں تجارت کی نیت سے خریدی جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اس صورت میں قیمتِ خرید کا نہیں، بلکہ اس کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا۔

مکان پر زکوٰۃ

سوال:(۱۳)

اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد مکانات ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟

جواب:

مکان ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ چاہے کسی کے پاس ایک مکان ہو یا دو یا تین یا اس سے زیادہ۔ یہ سب مکان اس کے استعمال میں ہوں، یا ایک استعمال میں ہو، باقی خالی پڑے ہوں، یا کرایے پر اٹھے ہوئے ہوں، ان پر زکوٰۃ نہیں۔

مکانوں کا کرایہ چاہے جتنا آتا ہو، اگر وہ سال بھر سے پہلے خرچ ہوجائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر کرایہ کی رقم محفوظ رہے اور وہ دوسری رقموں کے ساتھ شامل ہوکر نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو ایک سال کے بعد اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

فروخت کے ارادے سے بنائے گئے مکان پر زکوٰۃ

سوال:(۱۴)

ایک شخص نے ایک گھر تعمیر کیا اور اس کو کرایے پر اٹھا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس گھر کو منافع پر فروخت کر دیا اور اس رقم سے دوسرا گھر تعمیر کیا اور اس کو کرایے پر لگا دیا۔ اس کا ارادہ ہے کہ اگر اچھی رقم ملی تو اس کو بھی فروخت کر دے گا۔ اس صورت میں کیا اسے مکان کی مالیت پر زکوۃ نکالنا ہوگی؟

جواب:

مکان اگر تجارتی مقصد سے نہ ہو تو اس پر زکوۃ نہیں۔ اسے کرایے پر اٹھایا گیا ہو اور کرایہ پر ملنے والی رقم جمع رہے اور دوسری رقوم کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ عائد ہوگی۔ مکان تعمیر کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ آئندہ اسے فروخت کر دیں گے تو اس کی حیثیت مالِ تجارت کی ہو جائے گی اور ہر سال اس کی مالیت پر زکوۃ عائد ہوگی۔

مکان تعمیر کرتے وقت اسے فروخت کر نے کا ارادہ نہ ہوں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کا ارادہ کرلیا جائے تو جب سے ارادہ کیا ہو، اس وقت سے اس کی حیثیت مال تجارت کی ہوگی اور ایک سال گزرنے پر اس کی مالیت پر زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

فلیٹ پر زکوٰۃ

سوال:(۱۵)

میرے پاس پندرہ لاکھ روپے تھے۔ اس سے میں نے ایک فلیٹ خرید لیا ہے۔ کیا اس رقم پر مجھے زکوٰۃ ادا کرنی ہے؟

جواب:

کسی شخص کے پاس نصابِ زکوٰۃ کے برابر رقم ہو اور وہ ایک برس تک اس کے پاس محفوظ رہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر مذکورہ رقم آپ کے پاس ایک برس سے زیادہ رہی ہے تو آپ کو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ ہر برس آپ کے پاس جتنی رقم تھی اس کا ڈھائی فی صد(2.5%) بہ طور زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔

زکوٰۃ مالِ تجارت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر فلیٹ تجارت کے مقصد سے خریدا گیا ہے کہ بعد میں اسے منافع کے ساتھ فروخت کر دیا جائے گا تو اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ ہر برس اس کی قیمت کا ڈھائی فی صد(2.5%) نکالنا ہوگا۔ لیکن اگر فلیٹ خود رہنے کے لیے خریدا گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر اسے کرایے پر اٹھایا جائے اور کرایے کی رقم استعمال میں آجائے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔ اگر کرایے کی رقم محفوظ رہے اور وہ دوسری رقموں کے ساتھ مل کر نصابِ زکوٰۃ تک پہنچے تو اس بچی ہوئی تمام رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

پلاٹ پر زکوٰۃ

سوال:(۱۶)

کیا خریدے گئے پلاٹس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟

جواب:

پلاٹ اگر مکان بنانے کی نیت سے خریدا جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ، ایک پلاٹ ہو یا ایک سے زائد۔

پلاٹ خرید تے وقت اگر کوئی متعین نیت نہ ہو، مثلاً خریدنے والا سوچ لے کہ ضرورت پڑنے پر مکان بنالیں گے ، یا بیٹے یا بیٹی کی شادی کے موقع پر بیچ کر کام چلالیں گے، یا انہیں تحفے میں دے دیں گے، یا مناسب رقم مل جائے گی تو بیچ لیں گے، وغیرہ تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

اگر پلاٹ خریدتے وقت متعین طور سے منافع کمانے کی ہی نیت ہو، یعنی چار پانچ سال کے بعد جب ریٹ بڑھ جائے گا تب بیچ دیں گے تو اس کی حیثیت مالِ تجارت کی ہوگی اور اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

اگر کئی برس سے کوئی پلاٹ فروخت نہ ہو پارہا ہو اور نقد رقم بھی اس کی زکوٰۃ نکالنے کے لیے نہ ہو تو آدمی کو چاہیے کہ اس کا حساب رکھے اور جب وہ پلاٹ فروخت ہوجائے یا رقم فراہم ہوجائے تب گزشتہ مدت کی زکوٰۃ نکال دے۔

جو لوگ پلاٹس کا بزنس کرتے ہیں انہیں ان کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔ اب ان کو اختیار ہے کہ اگر ان کے پاس رقم ہو تو سال بہ سال زکوٰۃ نکال دیا کریں اور اگر رقم نہ ہو تو کچھ مدّت کے بعد جب پلاٹس فروخت ہوں تب گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ نکال دیں۔

پلاٹس کا بزنس کروڑوں میں ہوتا ہے۔ اس بنا پر زکوٰۃ بھی لاکھوں میں نکلے گی۔

اس کی وجہ سے دل تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ صرف ڈھائی فی صد فرض کی گئی ہے۔ مال زیادہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا فی صد نہیں بڑھ جاتا۔ زکوٰۃ تو کم از کم مقدار ہے جسے ہر مسلمان کو نکالنا چاہیے۔ اس سے زیادہ جتنا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا اس کا بھرپور بدلہ پائے گا۔

زیورات پر زکوٰۃ

سوال:(۱۷)

میرا تعلق درمیانی طبقہ سے ہے۔ میری شادی کو ایک سال سے کچھ زائد ہوچکا ہے۔ مجھے اپنی شادی میں اتنے زیورات ملے تھے جن پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہوجاتا ہے۔ زیورات پر زکوٰۃ کے سلسلے میں جب میں نے اپنے شوہر محترم سے رجوع کیا تو انھوں نے مجھے ایک عجیب سی الجھن میں ڈال دیا۔ کہنے لگے کہ زیورات آپ کی ملکیت ہیں، ان کی زکوٰۃ آپ ہی کو نکالنی ہے۔ انھوں نے مہر کی رقم ادا کردی تھی۔ میں نے اس رقم کو بھی زیورات میں تبدیل کرلیا تھا۔ سسرال میں میرے پاس اپنی کوئی جائیداد تو ہے نہیں۔ میری ساری جمع پونجی یہی زیورات ہیں۔ ان کی زکوٰۃ کس طرح نکالوں؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ زکوٰۃ کے لیے درکار پیسے کہاں سے لاؤں؟ والدین کی طرف بھی رجوع نہیں کرسکتی، کیوں کہ وہ اپنی ضرورتیں بھی بڑی مشکل سے پوری کر پاتے ہیں۔

یہ اکیلے میرا مسئلہ نہیں ہے۔ درمیانی طبقے کی ہماری زیادہ تر بہنوں کے پاس اپنے زیورات کے علاوہ اور کوئی جائیداد تو ہوتی نہیں ہے۔ ہم اپنے زیورات بیچ کر ہی ان کی زکوٰۃ ادا کرسکتی ہیں۔ اس طرح چند سالوں میں ان کی مالیت اتنی کم ہوجائے گی کہ زیورات کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ درمیانی طبقے کی خواتین کے لیے یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ زکوٰۃ نہ نکالنے پر احساسِ گناہ کے ساتھ زیورات کو زیب تن کرنا ان کا مقدّر بن جاتا ہے۔

اس سلسلے میں دو سوالات جواب طلب ہیں:

(۱) کیا بیوی کی ملکیت والے زیورات کی زکوٰۃ نکالنا شوہر پر فرض نہیں ہے؟

(۲) اگر شوہر سے الگ بیوی کے پاس اپنی جداگانہ ملکیت ہو تو کیا اسلام

میں اسے اپنی جائیداد کے انتظام کی وہی آزادی حاصل ہے، جو شوہر کو اپنی جائداد کے لیے حاصل ہے؟

جواب:

مال دار اور صاحبِ حیثیت مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان میں سونا، چاندی، کھیتی، پھل، اموال تجارت اور جانور وغیرہ ہیں۔ استعمالی چیزوں مثلاً زمین، مکان اور گھریلو ساز و سامان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ عورتیں زیب و زینت کے لیے سونے چاندی کے، جو زیورات بنوا لیتی ہیں ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف صحابہ و تابعین کے زمانے میں بھی تھا۔ حضراتِ صحابہ میں ابن عمرؓ، جابرؓ، عائشہؓ، انسؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ اور تابعین و متاخرین میں قاسمؒ، شعبیؒ، قتادہؒ، محمد بن علیؒ، عمرہؒ، ابوعبیدہؒ، اسحاقؒ اور ابوثورؒ اور فقہائے اربعہ میں امام مالکؒ،امام شافعیؒ اور امام احمدؒ زیورات میں زکوٰۃ کے عدم وجوب کے قائل ہیں۔ یہ حضرات آثارِ صحابہ سے استدلال کرتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

حضرت عائشہؓ اپنی بھتیجیوں کو، جو ان کے زیر پرورش تھیں، سونے کے زیورات پہناتی تھیں، مگر ان کی زکوٰۃ نہیں نکالتی تھیں۔ (موطا امام مالک:۱۰۴۹)

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنی صاحب زادیوں اور لونڈیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے، مگر ان کی زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے۔ (موطا امام مالک، حوالۂ سابق)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتی تھیں، مگر ان کی زکوٰۃ نہیں نکالتی تھیں۔ (بیہقی)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کسی نے پوچھا: کیا زیورات میں زکوٰۃ ہے؟ انھوں

نے جواب دیا: نہیں۔ پوچھنے والے نے پھر دریافت کیا: خواہ ان کی مالیت ایک ہزار دینار کو پہنچ جائے؟ فرمایا: خواہ اس سے زیادہ ہوجائے۔ (بیہقی)

لیکن صحابہ، تابعین اور فقہاء کی دوسری جماعت زیورات میں زکوٰۃ واجب قرار دیتی ہے۔ ان میں عمر بن الخطابؓ، ابن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، سعید بن المسیّبؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاؒ، مجاہدؒ، عبد اللہ بن شدادؒ، جابر بن زیدؒ، ابن سیرینؒ، میمون بن مہرانؒ، زہریؒ، ثوریؒ اور فقہائے اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث نبوی سے ہے:

(۱) حضرت عبد اللہ بن شدادؒ فرماتے ہیں: ہم ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے (بغیر نگینے کی انگوٹھیاں) دیکھے تو فرمایا: یہ کیا ہے عائشہ؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے انھیں آپ کے لیے زینت اختیار کرنے کے مقصد سے پہنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں (یا فرمایا کہ تھوڑا بہت دے دیتی ہوں)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث:۱۵۶۵، اسے دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، بہ حوالہ: جامع الاصول،۴/۶۰۹)

(۲) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ایک روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی ایک لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئی۔ اس لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمھیں اچھا لگے گا کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے بدلے جہنم کی آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ سن کر اس نے

دونوں کنگن اتار کر نبی ﷺ کے آگے رکھ دیے اور کہا: ”یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔“ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۲۴۷۹)

اسی سے ملتے جلتے مضمون کی ایک حدیث امام ترمذیؒ نے بھی روایت کی ہے۔ (جامع ترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی زکوۃ الحلی، حدیث: ۶۳۷)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زوجہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ہمارے درمیان خطبہ دیا تو فرمایا:

تَصَدَّقْنَ یَامَعْشَرَ النِّسَآءِ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ۔ (صحیح بخاری: ۱۴۶۶، صحیح مسلم: ۱۰۰۰)

”اے عورتو! صدقہ کرو، خواہ تمھیں اپنے زیورات ہی میں سے کرنا پڑے۔“

(۴) عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں سونے کے زیورات پہنا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: کیا ان کا شمار بھی اس مال پر ہوگا جس کے جمع کرنے پر عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ”اگر ان کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو ان کا شمار ایسے مال میں نہیں ہوگا۔“ (سنن ابی داؤد: ۱۵۶۴)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔ یہ احادیث مرفوع ہیں اور وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں زیادہ صریح ہیں۔ اسی لیے امام خطابیؒ نے فرمایا ہے:

> ”کتاب اللہ میں مال و دولت جمع کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ (التوبۃ: ۳۴) اس سے ان لوگوں کے قول کو تقویت ملتی ہے، جو زیورات پر زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں اور روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے زیورات پر زکوٰۃ کو ساقط کیا ہے انھوں نے استعمالی چیزوں پر زکوٰۃ کے عدم وجوب پر قیاس کیا ہے۔ ان کی تائید میں چند آثارِ صحابہ ہیں۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ زیورات پر

زکوٰۃ ادا کی جائے۔"(بہ حوالہ فقہ السنہ، السید سابق، ۱/۳۴۳)

زیورات اگر بیوی کی ملکیت میں ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی زکوٰۃ بھی اسے ہی ادا کرنی ہے۔ بیوی کی ملکیت والے زیورات کی زکوٰۃ کی ادائی شوہر کے ذمے کیوں کر ہوگی؟اسلام نے عورت کو ملکیت کا حق دیا ہے۔ اسے اپنے مائیکے یا دیگر اعزہ سے، جو چیزیں ملیں، خواہ وہ زیورات ہوں، زمین جائیداد ہو، مکان ہو یا کچھ اور، وہ اس کی مالک ہے اور اسے اس کا انتظام کرنے اور دیکھ بھال کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے اور اس میں تصرف کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

زیورات پر زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ ہو تو بہ آسانی اس کا نظم کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے، خواتین پورے سال تہی دست نہیں ہوتیں۔ انھیں نجی خرچ کے لیے اپنے شوہروں سے اور دیگر ذرائع سے کچھ نہ کچھ رقم ملتی رہتی ہے۔ وہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کرکے اتنی رقم اکٹھا کرسکتی ہیں کہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرسکیں۔ لیکن اگر وہ مختلف ذرائع سے ملنے والی رقم کو بھی زیورات میں تبدیل کرتی رہیں گی تو ادائی زکوٰۃ کے لیے ان کے پاس کچھ نہ بچے گا اور زکوٰۃ نہ نکالنے پر احساسِ گناہ کے ساتھ زیورات کو زیب تن کرنا ان کا مقدّر بنا رہے گا۔

قرض پر لیے گئے زیورات کی زکوٰۃ

سوال:(۱۸)

میں نے کچھ زیورات خریدے ہیں، جن کی قیمت ابھی ادا نہیں ہوئی ہے، قرض پر ہیں۔ کیا اس زیورات پر مجھے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کرنسی کے ذریعے سونا چاندی کی خرید و فروخت کے وقت نقد معاملہ کرنا ضروری ہے۔ ادھار معاملہ کرنا (خواہ کل رقم ادھار ہو یا اس کا کچھ حصہ) شرعاً جائز نہیں۔ایسی صورت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بہرحال اب عورت کو چاہیے کہ اس کے پاس جتنے زیور ہوں، سب کی مالیت نکالے، کچھ اور چیزیں مثلاً شیئرز، بانڈز وغیرہ ملکیت میں ہوں تو ان کا بھی حساب لگالے۔پھر ان میں سے نئے خریدے گئے زیورات کی جتنی قیمت ابھی ادا نہیں ہوئی ہے اس کو منہا کردے۔ باقی پر ڈھائی فی صد (2.5%) زکوٰۃ نکالے۔

لاکر (Locker) میں رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ

سوال:(۱۹)

میرے پاس کچھ زیورات ہیں، جنھیں میں نے عرصے سے استعمال نہیں کیا۔ وہ لاکر (Locker) میں رکھے ہیں۔ کیا اس مدت کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی؟

جواب:

سونے چاندی کے زیورات، جو استعمال اور زینت کے لیے ہوں، ان پر زکوٰۃ کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف عہدِ صحابہ سے رہا ہے۔ فقہائے ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ان پر بھی زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل ہیں۔

یہ زیورات خواہ زیرِ استعمال ہوں یا لاکر میں رکھے ہوں، امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی رو سے دونوں صورتوں میں ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

استعمالی زیورات پر زکوٰۃ

سوال:(۲۰)

بعض سعودی علماء کا بیان ہے کہ جوزیورات خواتین کے استعمال میں ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ بعض ہندوستانی خواتین، جو سعودی عرب میں رہتی ہیں، یہ کہہ کر زکوٰۃ نہیں ادا کرتیں ۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب:

استعمالی زیورات پر زکوٰۃ کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ان پر وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں، جب کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس سے انکار کرتے ہیں ۔ سعودی علماء کا فتویٰ ائمہ ثلاثہ کی متابعت میں ہے۔ یہ حضرات ان آثارِ صحابہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں استعمالی زیورات پر عدمِ وجوب کی بات کہی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں بغیر کسی تخصیص کے ہر طرح کے زیورات پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیاگیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اپنی ایک لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا: ”کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے بدلے جہنم کی آگ کے کنگن پہنائے۔“ یہ سن کر اس نے دونوں کنگن اتار کر آپؐ کے سامنے رکھ دیے اورکہا: ”یہ اللہ اوراس کے رسول کے لیے ہیں۔“ (ابوداؤد:۲۴۷۹)

ایک مرتبہ آپؐ نےعورتوں کے درمیان خطبہ دیا تو فرمایا:

تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْمِنْ حُلِيّكُن(بخاری:۱۰۰۰)

"اے عورتو! صدقہ کرو، خواہ اپنے زیورات ہی سے کرو۔"

اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ احتیاط کا تقاضا ہے کہ استعمالی زیورات پر بھی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

کرنسی نوٹ میں زکوٰۃ کا نصاب

سوال: (۲۱)

زکوٰۃ کے لیے موجودہ کرنسی نوٹ کی مقدار کیا ہے؟ ساڑھے سات تولہ سونا کے برابر یا ۵۲ تولہ چاندی کے برابر کی رقم؟ معیار سونا ہے یا چاندی؟

جواب:

ادائی زکوٰۃ کے لیے فقہاء نے چاندی کو معیار مانا ہے۔ اس میں غریبوں اور مستحقین کی مصلحت اور مفاد پیش نظر ہے۔ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کے برابر کرنسی نوٹ ہوں اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

حج کے لیے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال: (۲۲)

میں نے گزشتہ سال حج کے لیے پیسہ اکٹھا کیا تھا، مگر میرا نام نہیں آیا۔میں نے وہ پیسہ محفوظ کردیا تھا۔ اب اس پر ایک سال گزر گیا ہے۔ کیا مجھے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب:

کسی مال کے نصاب تک پہنچ جانے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ اس پر ایک سال گزر گیا ہو اور دوسرے یہ کہ وہ آدمی کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔ بنیادی ضروریات میں اپنے اور اپنے اہل و عیال نیز زیر کفالت رشتے داروں سے متعلق روز مرہ کے اخراجات، جائے رہائش، استعمالی چیزیں، کپڑے، سواری، وسائل رزق جن سے آدمی اپنی روزی کماتا ہے، وغیرہ شامل ہیں ۔

اور فرضیت حج کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے پاس حج کے مصارف کے علاوہ اتنا مال ہو کہ حج سے واپسی تک کی مدت کے لیے اس کے زیر کفالت افراد کی بنیادی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

حج کا سفر انسان کی بنیادی ضروریات میں سے نہیں ہے کہ اس بنا پر اس کے لیے خاص کی گئی رقم سے زکوٰۃ کی ادائی ساقط ہوجائے۔ اگر اس پر ایک سال گزر گیا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے سے حج کے لیے جمع کی گئی رقم میں کمی آجائے گی۔ ہر سال سفرِ حج کے مصارف میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوجاتا ہے۔ جس طرح اگلے سال حج کرنے کی صورت میں آدمی کو اضافہ شدہ مصارف کا نظم کرنا ہوگا، اسی طرح وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت میں ہونے والی کمی کی بھی تلافی کرسکتا ہے۔

پرائویٹ فنڈ (PF) پر زکوٰۃ کا ایک مسئلہ

سوال: (۲۳)

ہمارے ادارے میں کام کرنے والے مستقل ملازمین کے مشاہرہ سے دس فی صد رقم پرائویٹ فنڈ کے نام سے کاٹ لی جاتی ہے اوراتنی ہی رقم ادارہ کی جانب سے شامل کرکے بینک میں جمع کردی جاتی ہے۔ وقتِ ضرورت ملازم کو اپنے حصے کی رقم کا نصف بہ طور قرض حاصل کرنے کی اجازت ہے، جس کی واپسی اسے قسطوں میں کرنی پڑتی ہے۔ یہ پوری رقم اسے ریٹائرمنٹ یا ملازمت سے سبک دوشی کے وقت دے دی جاتی ہے۔

ادارہ کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ پراویڈنٹ فنڈ کی پوری رقم کا زیادہ تر حصہ تجارت میں لگادیا جائے، تاکہ روپے کی قدر میں جوکمی آتی ہے وہ پوری ہو اورملازمین کا فائدہ ہو۔ یہ رقم پراپرٹی کی تجارت میں لگادی گئی۔ انتظامیہ نے یہ بھی طے کیا کہ جوملازم ریٹائرہوگا اس کا پی ایف پس انداز رقم سے ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ کچھ کمی ہوگی تو وقتی طور پر کہیں سے قرض لے کر اس کوادا کردیا جائے گا اور اگر ملازم چاہے گا تو اس کی ادائیگی بعد میں اس وقت کی جائے گی جب پراپرٹی فروخت ہوجائے گی اوررقم خالی ہوجائے گی۔

ادارہ کے ایک ملازم ریٹائر ہوگئے ہیں ۔ ان کا پی ایف کا حساب اب تک نہیں کیا گیا ہے اور ان کی واجب الادا رقم ان کونہیں دی گئی ہے۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد، اب جب کہ ان کواپنی پی ایف کی رقم سے استفادہ کا حق حاصل ہوگیا ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب:

پرائویٹ فنڈ کی رقم سے ملازم کواستفادہ کا اختیار نہیں رہتا۔ جوکچھ وہ لے

سکتا ہے اس کی حیثیت قرض کی ہوتی ہے۔ اس بنا پر دورانِ ملازمت اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

جوملازم ریٹائر ہوگیا ہووہ اپنی پی ایف کی رقم کا مستحق بن جاتا ہے۔ ضابطہ کے مطابق اس کا حساب صاف کردینا چاہیے اور اس کی رقم اس کے حوالے کردینی چاہیے۔ یہ ادائیگی ادارہ کی تحویل میں پی ایف کی پس انداز رقم میں سے کی جاسکتی ہے اوروقتِ ضرورت کسی د وسری مدسے قرض بھی لیا جاسکتا ہے۔ ملازم نے ریٹائر منٹ کے بعد اپنی پی ایف کی رقم کا مطالبہ نہیں کیا، یا ادارہ نے حساب کرکے اس کی رقم اس کے حوالے نہیں کی، یا دونوں کی موافقت سے طے پایا کہ پراپرٹی فروخت ہونے کے بعد جب رقم خالی ہوگی تب پی ایف کی ادائیگی کردی جائے گی، بہ ہر صو رت ملازم کو ریٹائر منٹ کے بعد اپنی پی ایف کی رقم سے استفادہ کا حق حاصل ہوگیا جواسے دورانِ ملازمت حاصل نہیں تھا۔

اس بنا پر میری رائے ہے کہ اب اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ اس کی ادائیگی اس وقت تک کے لیے مؤخر کی جاسکتی ہے جب تک وہ ہاتھ میں نہ آجائے۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ کے مستحقین

سوال: (۲۴)

زکوٰۃ کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

جواب:

زکوٰۃ کے مستحقین کا تذکرہ قرآن مجید میں صراحت سے کردیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ: ۶۰)

"(فرض) صدقات تو در اصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور اللہ کی رہ میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور دانا اور بینا ہے۔"

فقیر اور مسکین میں تھوڑا فرق ہے۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو بالکل خالی ہاتھ نہ ہو، لیکن اپنی ضرورت کے لیے دوسرے کا محتاج ہو۔ مسکین وہ شخص ہے جو بالکل تہی دست ہو اور روزی کمانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، مثلاً معذور، بوڑھا، بےسہارا، یتیم، بیوہ وغیرہ۔

'وَ فِي الرقابِ' سے مراد غلام ہیں۔ آج کے دور میں جو بے گناہ ظالمانہ طریقے سے قید و بند میں مبتلا ہیں وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔

'فی سبیل اللہ' کو جہاد کے معنیٰ میں خاص کیا گیا تھا۔لیکن بعض علماء آج کل دعوت الیٰ اللہ، اشاعتِ دین، داعیوں کی تیاری اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے اورسازشوں کا توڑ کرنے لیے انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو بھی زکوٰۃ کا مصرف قرار دیتے ہیں۔

رشتے دار کو زکوٰۃ

سوال:(۲۵)

کیا زکوٰۃ اپنے غریب قریبی رشتے داروں (سگے بھائی، چچا وغیرہ) کو دی جاسکتی ہے؟

جواب:

ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لیے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ لینے والے کے درمیان ایسا رشتہ نہ ہو کہ وہ مملوکہ اشیاء سے استفادے میں شریک رہتے ہوں، یا زکوٰۃ قبول کرنے والے زکوٰۃ ادا کرنے والے کے زیر کفالت نہ ہوں یا ان کے درمیان ولادت کا رشتہ نہ ہو۔ اسی بنا پر ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، بیٹوں، پوتوں، بیٹیوں نواسیوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ دیگر رشتے داروں کو مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں وغیرہ کو، اگر وہ غریب اور مستحق ہوں، زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اجنبی شخص کو زکوٰۃ دینے سے جتنا ثواب ملتا ہے، اس کا دو گنا ثواب رشتے داروں کو دینے سے ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَ هِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔ (ترمذی:۶۵۸)

”مسکین کو صدقہ دینا باعثِ اجر ہے اور رشتے دار کو دینے سے دوہرا اجر ملتا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔“

گھر اور دکان کے مالک غریب رشتے دار کو زکوٰۃ

سوال:(۲۶)

کیا کسی رشتے دار کے کاروباری حالات خراب ہوجائیں تو زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے؟ جب کہ اس کا اپنا گھر اوراپنی دکا ن ہو؟

جواب:

کوئی رشتے دار غریب ہو، یا کسی افتاد کی وجہ سے غریب ہوجائے توزکوٰۃ سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ گھر بنیادی ضرورت ہے۔ اس لیے کسی شخص کا گھر کا مالک ہونا اسے زکوٰۃ کا غیر مستحق نہیں بناتا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی دکا ن ہو، لیکن اس سے اتنی آمدنی نہ ہورہی ہوکہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے تو وقتِ ضرورت اس کی امداد بھی زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔

غریب رشتے دار کو اس کے گھر شادی کے موقع پر زکوٰۃ دینا

سوال: (۲۷)

میرے ایک رشتے دار کے گھر شادی ہے۔اس میں پیسہ دینا ہی ہوتا ہے۔ کیا شادی کے موقع پر پوری زکوۃ کی رقم اس رشتے دار کو دی جاسکتی ہے؟

جواب:

رشتے دار کو وقتِ ضرورت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

عموماً شادیوں میں بہت زیادہ فضول خرچی ہوتی ہے۔ غریب سے غریب شخص بھی اپنی بیٹی یا بیٹے کی شادی کرتا ہے تو وہ اور اس کے گھر والے خوب دل کے ارمان نکالتے ہیں اور جہیز، تلک، بارات، ولیمہ اور دیگر کاموں پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں۔ شادی کی مسرفانہ رسوم کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے اور ان میں خرچ کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے۔

البتہ اگر کوئی رشتے دار واقعی غریب ہے تو اس کے بچے یا بچی کی شادی کے موقع پر زکوٰۃ سے اس کا تعاون کیا جاسکتا ہے۔ اسے کوئی چیز، جو ازدواجی زندگی میں کام آئے، خرید کردی جاسکتی ہے اور نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے۔

بہن کو زکوٰۃ

سوال:(۲۸)

کیا بہن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:

جن لوگوں کی کفالت کسی شخص کے ذمے لازم نہیں ہے ان کو وہ زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ چنانچہ بہن، اسی طرح دوسرے رشتے داروں مثلاً چچا، خالہ وغیرہ کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

رشتے دار اگر ضرورت مند ہوں تو ان کی خبر گیری اورامداد کا دوہرا اجر ہے۔ ایک موقع پر اس طرح کے سوال کے جواب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:''اس صورت میں دہرا اجرہے : صدقہ کا اجر اور رشتے کی پاس داری کا اجر۔'' (ابن ماجہ:۱۸۳۴)

غریب سید کو زکوٰۃ

سوال:(۲۹)

کیا کسی غریب سید کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب:

☆حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ(مسلم:۱۰۷۲)"صدقہ (یعنی زکوٰۃ) آل محمد ﷺ کے لیے جائز نہیں ہے۔"

اس سے فقہا نے یہ استنباط کیا ہے کہ سادات(یعنی خاندانِ بنوہاشم) کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حرمت بنو ہاشم کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے ہے۔

البتہ بعض فقہا کا خیال ہے کہ سادات(بنو ہاشم)کو زکوٰۃ دینے کی حرمت صرف عہدِ نبوی کے لیے تھی، جب مالِ غنیمت میں 'خُمس' یعنی پانچواں حصہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے خاندان والوں کے لیے خاص تھا۔ لیکن جب یہ حصہ ختم ہو گیا تو اب دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح غریب سادات کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

سید خاندان کے لیے حرمتِ زکوٰۃ کی حکمت

سوال:(۳۰)

کہا جاتا ہے کہ سید خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ یعنی اس خاندان کے لوگوں کے لیے صدقہ یا زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔ آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے :

اِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقۃ، حدیث:۱۰۷۲)

"صدقہ (مراد زکوٰۃ) آل محمدؐ کے لیے جائز نہیں ہے۔"

یہ حرمت بنو ہاشم کے اعزاز و اکرام کی بنا پر ہے۔ الموسوعۃ الفقھیۃ میں ہے:

حرمة الصدقة على بني هاشم كرامة من الله لهم و لذريتهم حيث نصروه ﷺ في جاهليتهم و اسلامهم۔ (۱۰۱/۱)

"بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ کی حرمت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے اور ان کی نسل کے لیے اعزاز و اکرام کی بنا پر ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے عہد جاہلیت اور عہد اسلامی میں آں حضرت ﷺ کی نصرت و حمایت کی تھی۔"

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ حرمت صرف عہد نبوی کے لیے تھی۔ اب سادات کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔

کسی ضرورت مند کو شادی کے لیے زکوٰۃ دینا

سوال: (۳۱)

کیازکوٰۃ کسی ضرورت مند کی شادی کے لیے دی جاسکتی ہے؟

جواب:

زکوٰۃ کسی غریب کو اس کی کسی بھی ضرورت کے لیے دی جا سکتی ہے۔وہ اور اس کے گھر والے فاقے سے دوچار ہوں تو انہیں کھانے پینے کی چیزیں دی جا سکتی ہیں۔ اس کے پاس روزی کمانے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے کچھ مال دے کر روزگار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کی لڑکی سیانی ہو رہی ہو اوربہت زیادہ غربت کی وجہ سے اس کی شادی نہ ہوپارہی ہو تواس میں مدد کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

شادی میں مدد کے لیے زکوٰۃ نقد رقم کی صورت میں دی جا سکتی ہے اور کوئی سامان خرید کر بھی دیا جا سکتا ہے۔

آج کل شادیوں میں بہت زیادہ فضول خرچی کی جانے لگی ہے۔ مُسرفانہ رسوم و روایات پر عمل کوضروری سمجھا جاتا ہے۔ ویسے بھی ان رسوم سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کو ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ لیکن ان رسوم کی انجام دہی کے لیے زکوٰۃ دینی مناسب نہیں ہے۔ ہاں شادی کے ضروری مصارف کے لیے زکوٰۃ کے ذریعے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

صاحبِ نصاب عورت کے غریب شوہر کو زکوٰۃ

سوال: (۳۲)

ایک شخص خود غریب ہے، لیکن اس کی بیوی کے پاس اتنے زیور ہیں کہ اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:

کوئی عورت اپنے زیورات کی وجہ سے صاحبِ نصاب ہے، لیکن اس کا شوہر غریب اور ضرورت مند ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور یہ شخص اس رقم کو اپنی گھریلو ضروریات میں خرچ کرے گا تو اس عورت کے اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عہد نبوی کے ایک واقعے سے ہمیں اس سلسلے میں رہ نمائی ملتی ہے۔

بریرہؓ نامی ایک باندی کا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ لوگ اسے جو چیزیں بہ طور صدقہ دیتے تھے، وہ انھیں بھی ازدواج مطہرات کے یہاں لے آتی تھی۔ انھیں ان چیزوں کے استعمال میں تردد ہوتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے جواب دیا:

هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَكُمْ هَدِيَّةٌ فَكُلُوْهُ ۔ (مسلم:۱۰۷۵)

"وہ اس کے لیے صدقہ اور تمھارے لیے ہدیہ ہے، تم اسے کھاسکتی ہو۔"

ایک مرتبہ آپؐ گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا۔ آپؐ کی خدمت میں کھانے کے لیے روٹی سالن پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ہانڈی میں گوشت بھی تو ہے۔ آپؐ سے بتایا گیا کہ یہ گوشت بریرہ کو صدقے میں ملا

تھا اور آپ چوں کہ صدقہ نہیں کھاتے، اسی لیے اس میں سے آپ کو نہیں دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ ۔ (بخاری:۵۰۹۷)

"یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔"

کیا عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟

سوال: (۳۳)

عورت سروس کرتی ہے، مال دار ہے، صاحبِ نصاب ہے، لیکن اس کا شوہر غریب اور بے روزگار ہے۔ کیا عورت اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے؟

جواب:

اسلام کے نزدیک عورت کی قدر افزائی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے اس کی ملکیت تسلیم کی ہے، جب کہ بیش تر مذاہب اور تہذیبوں میں وہ اس حق سے محروم رہی ہے اور مغربی ممالک میں بھی اسے یہ حق بیسویں صدی میں جاکر مل سکا ہے۔ عورت جو کچھ کمائے اسلام کی نظر میں وہ اس کی مالک ہے۔ شوہر کو حق نہیں کہ اس پر قبضہ جمالے اور اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرے۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شوہر اپنی زکوٰۃ اپنی بیوی کو نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ وہ اس کے زیر کفالت ہوتی ہے۔ لیکن بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں ؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نہیں دے سکتی، اس لیے کہ شوہر اس رقم کو گھریلو ضروریات میں خرچ کرے گا تو اس کا فائدہ عورت کو بھی پہنچے گا۔ دیگر فقہاء جن میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ (ایک قول کے مطابق)، ابن المنذرؒ، امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگرد قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور اہل ظاہر قابل ذکر ہیں، اس کے جواز کے قائل ہیں۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی وہ مشہور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے پاس کچھ زیورات ہیں، آپؐ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان زیورات کو صدقہ کردوں۔

گھر میں تذکرہ کیا تو میرے شوہر ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بچے اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی ﷺ نے جواب دیا:

صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ زَوْجُکَ وَ وَلَدُکَ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهٖ عَلَيْهِمْ۔ (بخاری: ۱۴۶۲)

"ابن مسعودؓ نے سچ کہا۔ تمھارا شوہر اور تمھارے بچے اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان پر صدقہ کرو۔"

اس حدیث میں 'صدقہ' کا لفظ آیا ہے، جس کا اطلاق زکوٰۃ اور نفلی صدقات دونوں پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں نفلی صدقہ مراد ہے، جب کہ دیگر فقہاء اسے زکوٰۃ کے معنی میں لیتے ہیں۔

بہ ہر حال اصولی طور پر یہ بات طے ہے کہ زکوٰۃ کسی ایسے شخص کو دینی جائز نہیں ہے جس سے اس کا فائدہ خود زکوٰۃ دینے والے کو پہنچے۔

ریاستی مظالم کے شکار لوگوں کو چھڑانے کے لیے زکوٰۃ کا استعمال

سوال: (۳۴)

ادھر کچھ عرصے سے مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد ریاستی مظالم کا شکار ہے۔ انھیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے اور ان پر بہت سے مقدمات لاد دیے جاتے ہیں۔ ان مقدمات کی پیروی کے لیے خطیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، جسے فراہم کرپانا بسا اوقات ان مظلومین کے لیے ممکن نہیں ہوپاتا۔ کیا اس کام میں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے؟

جواب:

زکوٰۃ کی جو مدّات قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں سے ایک 'وَفِي الرِّقَابِ' (التوبۃ: ۶۰) ہے، یعنی گردنوں کو چھڑانے میں ۔ نزولِ قرآن کے عہد میں غلامی کا رواج تھا۔ انسانوں کی گردنیں اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ قرآن نے ان کی گلوخلاصی کو کار ثواب قرار دیا۔ جمہور علماء و مفسرین کا خیال ہے کہ 'فِي الرِّقَابِ' سے مراد غلام ہیں۔ چوں کہ غلامی کی یہ رسم الحمد للہ اب ختم ہوگئی ہے، اس لیے زکوٰۃ کا یہ مصرف اب باقی نہیں رہا۔

اس زمانے میں ایسے قیدی بھی پائے جاتے تھے، جو مختلف جنگوں میں گرفتار کر لیے جاتے تھے، اس لیے کتبِ فقہ میں ایک بحث یہ ملتی ہے کہ کیا زکوٰۃ قیدیوں کو چھڑانے میں صرف کی جاسکتی ہے؟ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ قیدی کو چھڑانے میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، لیکن بعض علماء، جن میں ابن عبد الحکم مالکیؒ، قاضی ابن العربی مالکیؒ، امام احمدؒ (ایک روایت کے مطابق) اور علامہ ابن تیمیہؒ قابل ذکر ہیں،

اس کی اجازت دیتے ہیں۔

ادھر کچھ عرصے سے ہندوستانی مسلمان جس صورت حال سے دو چار ہیں اس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے نوجوانوں کو بلا کسی قصور کے جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ ان پر اتنے مقدمات لاد دیے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی میں برسوں گزر جاتے ہیں اور جیلوں سے ان کی رہائی ممکن نہیں ہوپاتی۔ ان کی رہائی کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنا، ان کے مقدمات کی پیروی کرنا، انھیں قید و بند سے چھٹکارا دلانا اور ان کی فلاح و بہبود کے دیگر کام انجام دینا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ امت کے سربرآوردہ طبقے کو ان کی فکر کرنی چاہیے اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔

کیا ریاستی دہشت گردی کے شکار ان اسیران کے مقدمات کی پیروی اور ان کو رہائی دلانے کی کوششوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟ فقہائے کرام کو اس موضوع پر غور کرنا چاہیے۔ راقم کی رائے ہے کہ مذکورہ معاملہ زکوٰۃ کا مصرف بن سکتا ہے۔ قرآن نے 'وَفِي الرِّقَابِ' (گردنیں چھڑانے میں) کی جامع تعبیر اختیار کی ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس کا انطباق غلاموں پر ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں ہندوستان کے ان اسیرانِ بلا کی حالت ان سے مختلف نہیں ہے۔

ان مظلومین کے سلسلے میں کرنے کے دو کام اور ہیں جو شاید ان کے مقدمات کی پیروی سے زیادہ اہم ہیں:

اول یہ کہ یہ نوجوان عام طور پر اپنے گھروں کا سہارا ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعۂ معاش پر ان کے پورے خاندان کا انحصار ہوتا ہے۔ قید و بند کی بنا پر ان کا سلسلۂ معاش منقطع ہوجانے کی وجہ سے ان کے خاندان بڑی آزمائش میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے افرادِ خانہ دانے دانے کو محتاج ہوجاتے ہیں۔ ایسے موقع پر ضروری ہے کہ متمول حضرات ان خاندانوں کی خبر گیری کریں اور ان کی معاشی کفالت

کی ذمہ داری لیں۔

دوم یہ کہ جیلوں میں ان نوجوانوں کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے، ان کی بنیادی ضروریات پوری نہیں کی جاتیں اور ان کو جسمانی اور نفسیاتی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ایسے میں ان نوجوانوں کی راحت رسانی کی بھی کوشش کرنی چاہیے، ممکن ہو تو انھیں کچھ سہولیات مثلاً پہننے کے کپڑے اور غذائی اشیاء وغیرہ پہنچائی جائیں، دینی لٹریچر، کتب و رسائل بھی پہنچائے جائیں، تاکہ ان کی دینی معلومات میں اضافہ ہو اور انھیں ذہنی و نفسیاتی سکون بھی مل سکے۔

تبلیغِ دین کے کام میں زکوٰۃ کا استعمال

سوال: (۳۵)

دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کے تحت ایک موبائل وین کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے، جس کے ذریعہ دینی کتابیں شہر کے مختلف علاقوں میں پہنچائی جائیں گی، دینی کتابیں اور فولڈر مفت تقسیم کیے جائیں گے اور کچھ کتابیں برائے نام قیمت پر فروخت بھی کی جائیں گی۔ ان سے جو رقم حاصل ہوگی وہ اسی کام میں صرف ہوگی، یعنی مزید کتابیں خرید کر اسی مقصد کے لیے استعمال کی جائیں گی۔ اس ادارہ سے کوئی نفع کمانا مقصد نہیں ہے۔ اس کا واحد مقصد دعوت دین ہے۔ کیا اس کام میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟ بہ راہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب:

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان درج ذیل آیت میں ہوا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ: ۶۰)

”یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔“

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک 'فی سبیل اللہ' (اللہ کی راہ میں) ہے۔ قرآن و حدیث میں فی سبیل اللہ کا استعمال بہ طور اصطلاح ہوا ہے۔ اس سے مراد اللہ کی راہ میں جہاد و قتال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں یہ الفاظ جہاں جہاں آئے ہیں، ان میں سے بیش تر مقامات پر ان سے پہلے جہاد و قتال کی صراحت موجود ہے۔ حدیث میں بھی ان کا زیادہ تر استعمال جہاد کے معنی میں ہوا ہے۔ ایک حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔(بخاری: ۲۷۹۲، مسلم: ۱۸۸۰)

"اللہ کی راہ میں صبح یا شام جہاد کے لیے نکلنا دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔"

اسی بنا پر جمہور علماء زکوٰۃ کی اس مد کو جہاد کے لیے خاص کرتے ہیں، لیکن علماء کا ایک دوسرا طبقہ اس کی توسیع و تعمیم کا قائل ہے۔ وہ تمام وجوہِ خیر کو اس میں شامل قرار دیتا ہے۔ اس کے قائلین میں ایک نام مشہور حنفی فقیہ امام کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) صاحب بدائع الصنائع کا ہے۔ امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے لکھا ہے کہ امام قفالؒ نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا یہی قول نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خاںؒ (م ۱۸۹۰ء) کی بھی یہی رائے ہے۔ موجودہ دور کے علماء میں مولانا ابو الکلام آزادؒ (۱۹۵۸ء) مولانا سید سلیمان ندویؒ (۱۹۵۳ء) مولانا امین احسن اصلاحیؒ (۱۹۹۷ء) اور مولانا محمد شہاب الدین ندویؒ (م ۲۰۰۲ء) وغیرہ بھی اس مد میں تعمیم کے قائل ہیں۔

کچھ علماء نے بین بین کی راہ اپنائی ہے۔ وہ 'فی سبیل اللہ' کو نہ تو قتال اور عسکری جدو جہد کے معنی میں محدود کرتے ہیں اور نہ اس میں اتنے عموم کے قائل ہیں کہ اس میں ہر کار خیر شامل ہوجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاد کا وسیع مفہوم ہے۔ اس میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی ہر کوشش شامل ہے۔ موجودہ دور میں عالم اسلام کے مشہور فقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکوٰۃ میں اس نقطۂ نظر کو تفصیل

سے پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

''میں سبیل اللہ کا مدلول متعین کرنے میں ایسے توسع کا قائل نہیں کہ ہر قسم کے مصالح اور تقرب کے کام اس میں شامل ہوجائیں اور نہ اس کے دائرہ کو اتنا تنگ سمجھتا ہوں کہ وہ صرف عسکری جہاد کے لیے خاص ہوکر رہ جائے۔ جہاد جس طرح تلوار اور نیزہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح زبان اور قلم سے بھی کیا جاتا ہے اور جس طرح جہاد عسکری ہوتا ہے اسی طرح فکری، تربیتی، اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ، ادارہ دعوت القرآن، ممبئی، ۲/۲۵۷)

اسی طرح کے ایک سوال کا جواب ڈاکٹر قرضاوی نے ان الفاظ میں دیا ہے:

''میری رائے یہ ہے کہ 'فی سبیل اللہ' کو نہ صرف جہاد پر محمول کیا جائے اور نہ اسے عام کرکے ہر اس کام پر محمول کیا جائے جو اللہ کی راہ میں اللہ کی خوش نودی کے لیے ہو۔ بے شبہ فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ لیکن جہاد کا مفہوم صرف جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر اس سے وسیع تر مفہوم اس میں شامل ہے۔یعنی ہر وہ قدم جو اللہ کے دین کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھے۔ جہاد صرف تلوار اور توپ سے نہیں ہوتا، بلکہ کبھی قلم سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے، کبھی اقتصادی جہاد ہوتا ہے اور کبھی سیاسی۔ ان میں سے ہر جہاد میں مالی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر وہ کوشش اور قدم جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھے اسے فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔'' (فتاویٰ یوسف القرضاوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۷، ۱/۱۴۴)

آگے انھوں نے زکوٰۃ کے ترجیحی مصارف ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

''میری رائے میں زکوٰۃ کی رقم جہاد کی ان صورتوں میں بھیجنا زیادہ بہتر ہے جنھیں لسانی، ثقافتی اور اعلامی جہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذیل میں میں بعض ایسی صورتیں پیش کرتا ہوں:

(۱) اسلامی دعوتی مرکز کا قیام، جہاں سے لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچائی جائے۔

(۲) خود اسلامی ممالک کے اندر اسلامی ثقافتی مراکز کا قیام، جہاں مسلم نوجوانوں کی عملی تربیت ہوسکے اور انھیں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر تیار کیا جاسکے۔

(۳) اسلامی اخبارات و جرائد کا اجراء، جو غیر اسلامی صحافتی سرگرمیوں کے لیے چیلنج ہو۔

(۴) اسلامی کتب کی نشر و اشاعت، جس میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جائے اور کفر کی ریشہ دوانیوں کو اجاگر کیا جائے۔

یہ وہ چند صورتیں ہیں جہاں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنی چاہیے، بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی ہر ممکن طریقے سے ان تمام سرگرمیوں میں دل کھول کر مالی تعاون کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ یوسف القرضاوی، حوالۂ سابق، ۱/۱۴۶)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں آیت زکوٰۃ (التوبۃ: ۶۰) میں 'فی سبیل اللہ' کی جو تشریح کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کے مفہوم میں ہر کارِ خیر کو شامل نہیں کرتے، بلکہ اسے جہاد ہی کے لیے خاص کرتے ہیں، لیکن جہاد ان کے نزدیک وسیع تر معنیٰ میں ہے۔ لکھتے ہیں :

"راہِ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام، جن میں اللہ کی رضا ہو، اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں ۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ ائمہ سلف کے کلام میں بالعموم اس موقع پر غزو کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو قتال کا ہم معنیٰ ہے۔ اس لیے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کی جو مد رکھی گئی ہے وہ صرف قتال کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ قتال سے وسیع تر

چیز کا نام ہے اور اس کا اطلاق ان تمام کوششوں پر ہوتا ہے جو کلمۂ کفر کو پست اور کلمۂ خدا کو بلند کرنے اور اللہ کے دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کے لیے کی جائیں، خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے میں ہوں، یا قتال کے آخری مرحلے میں۔ (تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲/۲۰۸)

اس موقع پر موجودہ دور کی دو فقہی اکیڈمیوں کے فیصلوں کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار منعقد جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء میں یہ موضوع زیر بحث تھا۔ عام شرکائے سمینار کا نقطۂ نظریہ تھا کہ سورۂ توبہ: ۶۰ میں مذکور 'فی سبیل اللہ' کا مصداق غزوہ اور جہاد عسکری ہے۔ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لیے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف 'فی سبیل اللہ' کا دائرہ وسیع کرکے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کرلیا جائے۔ البتہ تین حضرات (جناب شمس پیر زادہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی اور ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی) نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعتاً دعوتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی جا رہی ہوں۔" (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰، ص ۶۹۔۷۰)

عالم اسلام کی ایک دوسری فقہی اکیڈمی کا فیصلہ اس سے مختلف ہے۔ المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ رابطہ عالم اسلامی کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔ اس نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں اس موضوع پر غور کیا۔ علما کی دو رائیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ مصرف فی سبیل اللہ کا مصداق صرف اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں اور دوسری یہ کہ اس کا مفہوم عام ہے۔ موضوع پر غور اور فریقین کے

دلائل پر بحث و مباحثہ کے بعد اکثریت کی رائے سے درج ذیل فیصلے کیے گئے:

(۱) دوسری رائے کو بعض علمائے اسلام نے اختیار کیا ہے اور قرآن کریم کی بعض آیات میں یک گونہ اس مفہوم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۲) جہاد بالسلاح کا مقصد چوں کہ اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ جس طرح قتال سے ہوتا ہے اسی طرح داعیوں کی تیاری اور ان کی مدد اور تعاون کے ذریعے دعوت الی اللہ اور اشاعت دین سے بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں طریقے جہاد ہی کے ہیں ۔

(۳) اسلام پر آج ملحدین، یہود و نصاریٰ اور دشمنانِ دین کی طرف سے فکری اور عقائدی حملے ہو رہے ہیں اور دوسروں کی طرف سے انھیں مادی اور معنوی مدد مل رہی ہے۔ ان حالات میں انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان ان کا مقابلہ انہی ہتھیاروں سے کریں جن سے وہ اسلام پر حملے کرتے ہیں، یا ان سے سخت ہتھیار سے مقابلہ کریں۔

(۴) سلامی ممالک میں جنگ کے لیے مخصوص وزارتیں ہوتی ہیں اور ہر ملک کے بجٹ میں ان کے لیے مالی ضوابط ہوتے ہیں، جب کہ دعوتی جہاد کے لیے بیش تر ممالک کے بجٹ میں کوئی تعاون و مدد بھی نہیں ہوتی ہے۔

ان مذکورہ بالا امور کے پیش نظر اکثریت کی رائے یہ طے کرتی ہے کہ دعوت الیٰ اللہ اور اس کے معاون اعمال آیت کریمہ میں مذکور زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کے مفہوم میں داخل ہیں ۔'' (مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ایفا پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۰۴، ص ۱۸۰۔۱۸۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض معتبر علماء کے نزدیک اسلام کی دعوت و تبلیغ کے کاموں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ بعض فقہی اکیڈمیوں کا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہے اور راقم سطور بھی اسی کا قائل ہے۔

انگریزی میڈیم اسکولوں کے طلبہ کو زکوٰۃ

سوال:(۳۶)

انگریزی میڈیم اسکولوں میں (جن میں حکومتی نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔) پڑھنے والے طلبہ میں کچھ غریب ہوتے ہیں۔ان کے تعلیمی مصارف اسکول والے زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرتے ہیں ۔ بہت سے لوگ اس پر اعتراضات کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم انگریزی میڈیم کے اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ پرخرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ طلبہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ کیا ان کی بات درست ہے؟

جواب:

زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبۃ:۶۰)

"یہ صدقات(واجبہ) تودراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو،نیز یہ گردنوں کو چھڑانے اورقرض داروں کی مدد کرنے میں، اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔"

اس آیت میں آٹھ(۸) مصارف کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے دو(۲) مصارف ہیں فقیر اور مسکین۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی گزراوقات کے لیے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو عام محتاجوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہو۔ زکوٰۃ کی رقم فقراء ومساکین کی تمام طرح کی ضروریات میں صرف کی جاسکتی ہے۔اس سے ان کے لیے کھانے، پینے اورپہننے کی چیزیں فراہم کی جاسکتی ہیں، ان کے علاج معالجہ میں لگائی جاسکتی ہے، غریب بچوں اوربچیوں کی شادی کروائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اس سے غریب لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی مصارف ادا کیے جاسکتے ہیں، خواہ وہ دینی مدارس کے یا انگریزی اور عصری مدارس کے طلبہ وطالبات ہوں ۔ بنیادی شرط فقرواحتیاج ہے۔ اس بناپر یہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ عصری تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلبہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں ۔ پورے شرحِ صدر کے ساتھ ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

رقمِ زکوٰۃ سے اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائی

سوال:(۳۷)

ہماری سوسائٹی کے تحت صوبے کے مختلف شہروں، قصبات اور دیہاتوں میں تعلیمی ادارے چلتے ہیں۔ اگرچہ طلبہ سے فیس لی جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود بیش تر اداروں میں ماہانہ و سالانہ خسارہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تعمیر و مرمت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اصحابِ خیر سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے تو جو رقمیں حاصل ہوتی ہیں وہ بالعموم زکوٰۃ کی ہوتی ہیں۔ اگر اس رقم سے خسارہ پورا نہ کیا جائے اور اسے تعمیر و مرمت میں نہ لگایا جائے تو پھر کوئی اور صورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ ادارے ختم یا بے اثر ہوجائیں۔ یہ صورت حال اس کے باوجود ہے کہ نادار اور غریب طلبہ کی فیس وغیرہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کی جاتی ہے۔

بعض حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم اساتذہ کی تنخواہوں اور تعمیرات و مرمت پر صرف نہیں کی جاسکتی۔ بہ راہ کرم اس سلسلے میں ہماری رہ نمائی فرمائیں کہ کیا کیا جائے؟

جواب:

زکوٰۃ کے مصارف قرآن کریم کی سورہ توبہ آیت ۶۰ میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مصرف 'فی سبیل اللہ' ہے۔ اس پر ماضی میں بڑی معرکہ آرا بحثیں ہوئی ہیں۔ ان بحثوں کے نتیجے میں تین قسم کی آراء سامنے آئی ہیں:

۱- تطبیق (اس مد کو محدود تر کرنا): علماء کی اکثریت 'فی سبیل اللہ' کو جہاد (عسکری جہاد) کے معنٰی میں لیتی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ صدرِ اول سے اب تک تمام محدثین، مفسرین، فقہا سے یہی منقول ہے۔ گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس سے ہٹ کر جو رائیں منقول ہیں وہ شاذ کا درجہ رکھتی ہیں۔

۲- تعمیم (اس مد کو وسیع تر کرنا): بعض علماء اس سے تمام 'وجوہ خیر' مراد لیتے ہیں اور ہر اچھے کام کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیتے ہیں۔

۳- توسیع: علماء کے ایک طبقے نے بین بین کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ نہ تو ایسی تعمیم کا قائل ہے جو دین کے نام پر ہونے والے ہر کام کو محیط ہو اور نہ اس کے نزدیک ایسی تنگی ہے کہ اس مصرف کے تحت مال زکوٰۃ کو قتال کے علاوہ احیائے دین کے کسی کام پر خرچ نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس رائے کے حاملین فی سبیل اللہ کو جہاد فی سبیل اللہ کے معنیٰ میں لیتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک جہاد اپنے درجات اور مراحل کے اعتبار سے عسکری نوعیت کا بھی ہوتا ہے اور نظری و فکری بھی۔ غرض خالصۃً اعلاے کلمۃ اللہ کے مقصد سے کی گئی ہر جدو جہد پر فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوگا۔

عصر حاضر کے بعض علماء جو پہلی رائے رکھتے ہیں، وہ دوسری یا تیسری رائے رکھنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ اسے ''مغربی تہذیب سے مرعوب اور مغربی عقلیت کے شکار بعض لوگوں کی ذہنی اختراع'' قرار دیتے ہیں (ملاحظہ کیجیے: زکوٰۃ کے مصارف از مولانا عتیق احمد بستوی، مکتبہ حرا لکھنؤ، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۵- ۱۶) لیکن یہ بات صحیح نہیں، بلکہ اس کے قائل متقدمین میں بھی بعض لوگ رہے ہیں۔ فقہائے احناف میں ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کا سانی (م۵۸۷ھ) اور ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد (۶۱۹ھ) تعمیم کے قائل ہیں۔ تفسیر رازی کے بہ موجب شافعی فقیہ محمد بن علی بن اسماعیل المعروف بالقفال الکبیر (م۳۶۵ھ) نے بھی بعض فقہاء کی جانب اس قول کو منسوب کیا ہے۔

ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ جو علماء مصرف 'فی سبیل اللہ' کے عموم کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی عملاً اموالِ زکوٰۃ کو ہر طرح کے دینی کاموں میں خرچ کرتے ہیں، البتہ وہ اس کے لیے ایک 'حیلہ' اختیار کرتے ہیں۔ اسے انھوں نے 'حیلۂ تملیک'

کا نام دیا ہے۔ یعنی پہلے کسی مستحقِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، پھر وہ اپنی طرف سے اس مال کو دینی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے دے دے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنی کتاب 'اسلام کا نظامِ عشر و زکوٰۃ' میں لکھا ہے:

"البتہ اگر کہیں ایسے ضرور ی اقدامات موجود ہوں جو دینی اور قومی ضروریات کے اعتبار سے خاص اہمیت کے حامل ہوں، لیکن زمامِ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور نہ ایسا بیت المال موجود ہو جس میں مختلف مدات کے لیے رقوم ہوں تو ایک شرعی دینی ضرورت کی تکمیل کے لیے اس میں کوئی قباحت نہیں کہ بالواسطہ طور پر زکوٰۃ کی رقم اس مد میں صرف کی جائے۔ اسی کو 'حیلۂ تملیک' کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ضروری دینی اور قومی کاموں کے لیے کسی فقیر محتاج اور مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنا دیا جائے، پھر وہ ان ضروریات میں اس رقم کو خرچ کرے۔

دینی مدارس میں جو رقوم صرف ہوتی ہیں ان میں حیلۂ تملیک سے بہ سہولت بچا جاسکتا ہے۔ مہتمم، سفراء اور منتظمین کی تنخواہیں تو اس لیے دی جاسکتی ہیں کہ فقہاء نے 'عاملین' میں زکوٰۃ کی وصولی و تقسیم کرنے والوں اور نظم و نسق انجام دینے والوں کو بھی شامل رکھا ہے۔ طلبہ کو جو کھانے دیے جاتے ہیں اگر وہ تقسیم کرکے طلبہ کو مالک بنا دیا جائے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ضروریات کے لیے جو وظائف دیے جاتے ہیں، اس میں بھی تملیک پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ رہ گئی اساتذہ کی تنخواہیں اور دوسری مدات تو اگر طلبہ کو تعلیمی وظائف کی رقم دی جائے اور ان سے فیس وصول کرلی جائے تو اب حیلۂ تملیک کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حیلۂ تملیک کے اس طریقے سے ان ضروریات کے لیے فائدہ اٹھایا جاسکتا

ہے جو فی زمانہ اسلام کی سربلندی کے لیے پیدا ہوگئی ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف پر نظر ڈالنے سے صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے بنیادی مقاصد حاجت مندوں کی ضروریات کی تکمیل اور اسلام کی سربلندی ہے۔ آج اسلام کی سربلندی کے لیے جو وسائل مطلوب ہیں، وہ ماضی سے بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان مقاصد کے لیے تملیک کے حیلے کے ذریعے بالواسطہ زکوٰۃ کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا مزاجِ شریعت کے عین مطابق ہے۔" (اسلام کا نظامِ عشر و زکوٰۃ، مرکز دعوت و تحقیق حیدر آباد، ۱۹۹۴ء، ص،۱۳۵۔ ۱۳۶)

دار العلوم دیوبند کے مفتیِ اول مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ سے ایک صاحب نے "عملہ و دفتر، انجمن ہائے تبلیغ و حفاظت اسلام" کی تنخواہ اور مصارف خوراک و سفر پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی بابت سوال کیا۔ مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا:

"غرض یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں بے شک موافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارفِ خیر داخل ہیں۔ لیکن جو شرط ادائیِ زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے۔ اس میں حیلۂ تملیک اول کرلینا چاہیے، تاکہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست ہوجائے۔" (حوالہ سابق، ص ۱۳۶، ۱۳۷، بہ حوالہ فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۸۳)

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ رقومِ زکوٰۃ وقتِ ضرورت اساتذہ کی تنخواہوں اور مدرسہ کے دیگر کاموں میں بھی خرچ کی جاسکتی ہیں۔

مسجد یامدرسہ میں زکوٰۃ

سوال:(۳۸)

کیازکوٰۃ مسجد یا مدرسہ میں دی جاسکتی ہے؟

جواب:

زکوٰۃ مسجد کی تعمیر یا اس کی ضروریات میں نہیں دی جا سکتی۔

زکوٰۃ مدرسہ کی عمارتوں کی تعمیر میں بھی نہیں دی جا سکتی۔

ہاں مدرسہ کے غریب بچوں کی تعلیم، کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں اسے خرچ کیا جا سکتا ہے۔

قرض دار کو زکوٰۃ

سوال:(۳۹)

کیا قرض دارکو زکوۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب:

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک 'غارمین' ہے۔ اس سے مراد قرض دار لوگ ہیں، یعنی وہ لوگ جو قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں ۔

قرض چاہے جس مقصد سے لیا گیا ہو:مکان بنانے کے لیے، یا تجارت کے لیے، یا علاج معالجہ کے لیے، یا بیٹی کی شادی کے لیے،یا کسی اور کام کے لیے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی شخص پر بھاری قرض ہو، کوشش کے باوجود وہ اسے ادا نہ کرپارہا ہو، تو اسلام کی نظر میں وہ اس بات کا مستحق ہے کہ دوسرے مال دار مسلمان اس کی مدد کریں ۔ ایسے شخص کی مدد زکوٰۃ سے بھی کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کو قرض میں ایڈجسٹ کرنا

سوال: (۴۰)

بعض ملازمین قرض مانگتے ہیں، مگر پھر اسے ادا نہیں کرتے۔ بارہا تقاضوں کے باوجود ان سے قرض کی رقم واپس نہیں مل پاتی۔ کیا رقم زکوٰۃ کو اس میں ایڈجسٹ کیا جاسکتا ہے، کہ میں ان ملازمین سے قرض مانگنا چھوڑدوں اور اس کے بہ قدر رقم واجب الادا زکوٰۃ میں سے روک لوں؟

جواب:

کسی شخص نے دوسرے کو ایک رقم بہ طور قرض دی، لیکن وہ اسے واپس نہیں کر پارہا ہے تو کیا قرض خواہ (قرض دینے والے) کے لیے جائز ہے کہ اس قرض کو زکوٰۃ میں ایڈجسٹ کردے اور قرض دار سے کہے کہ اب تمھیں قرض واپس کرنے کی ضرورت نہیں ۔ میں نے تمھیں اس کے بہ قدر زکوٰۃ دے کر اسے واپسیِ قرض مان لیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

احناف، حنابلہ اور مالکیہ (امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے) کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس لیے اس کی ادائی کے معاملے میں کوئی ایسی تدبیر اور حیلہ اختیار کرنا مناسب نہیں جس سے اپنا ڈوبا ہوا مال بچ جائے اور قرض واپس مل جائے۔ ادائے زکوٰۃ کے لیے 'تملیک' ضروری ہے۔ جب تک اس مال کا کسی دوسرے کو مالک نہیں بنایا جائے گا اسے ادا نہ سمجھا جائے گا۔

تابعین میں سے حسن بصریؒ اور عطا بن ابی رباحؒ اور فقہاے مالکیہ میں سے اشہبؒ کہتے ہیں (اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے) کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اپنی زکوٰۃ اس کے حوالے کردیتا، پھر اسی رقم کو اپنے قرض کے بدلے واپس لے لیتا تو ایسا کرنا درست ہوتا۔ اسی طرح رقم حوالے کیے بغیر بھی اسے

ایڈجسٹ کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بغیر کسی پیشگی شرط اور معاہدے کے قرض خواہ نے قرض دار کو زکوٰۃ کی رقم دی اور قرض دار نے اسی سے اپنا قرض ادا کردیا تو ایسا کرنا صحیح ہوگا۔ لیکن اگر اس نے پہلے سے شرط لگالی اور معاہدہ کرلیا کہ میں تمھیں زکوٰۃ دے رہا ہوں، تمھیں اسی سے میرا قرض ادا کرنا ہوگا، تو یہ معاملہ کرنا صحیح نہ ہوگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔(فقہ السنۃ، سید سابق، ۱/۴۷۔۴۸، الموسوعۃ الفقھیۃ کویت، ۲۳/۳۰۰، الفقہ الاسلامی ودلتہ، وھبہ الزحیلی، ۲/۸۰۲)

زکوٰۃ کو قرض میں منہا کرنا

سوال: (۴۱)

ایک خاتون زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ہر ماہ کچھ رقم پس انداز کرتی رہی۔ اس دوران کسی ضرورت مند نے قرض مانگا تو اس نے وہ رقم اسے دے دی۔ اب جب کہ اس کو زکوٰۃ ادا کرنی ہے اور قرض خواہ رقم واپس نہیں کر رہا ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم نہیں ہے، اس صورت میں اگر قرض میں دی گئی رقم کو زکوٰۃ تصور کرلیا جائے اور قرض کو معاف کر دیا جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:

بعض فقہا نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر ہم نے کسی کو قرض دیا ہے اور وہ اسے لوٹا نہیں رہا ہے، ہم پرزکوٰۃ فرض ہے تو ہم قرض کو معاف کردیں اور سمجھ لیں کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ لیکن زیادہ تر فقہا اس کوجائز نہیں قرار دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح ہم نے حقیقت میں زکوٰۃ نہیں دی، بلکہ اپنی ڈوبی ہوئی رقم نکالی ہے۔ زکوٰۃ میں یہ ہوشیاری نہیں چلتی۔یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ زکوٰۃ اس ایڈجسٹمنٹ سے ادا نہیں ہوگی۔ کسی کو دیا ہوا قرض آپ حاصل کرنے کی کوشش کیجیے، واپس مل جائے تو ٹھیک ہے، نہ ملے تو معاف کر دیجیے، لیکن آپ کے ذمے جو زکوٰۃ ہے وہ آپ کو ادا کرنی ہوگی۔

کیا زکوٰۃ کو روک کر رکھا جا سکتا ہے؟

سوال: (۴۲)

زکوٰۃ کی رقم کو کتنے عرصہ تک اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے؟ یعنی اس کو کب تک خرچ کر دینا چاہیے؟ کسی بچے کی پڑھائی میں خرچ کرنے کے لیے کیا زکوٰۃ کی رقم کو ایک دو سال کے لیے روکنا جائز ہے؟

جواب:

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد حسبِ ضرورت کچھ عرصے کے لیے روکی جاسکتی ہے۔ واجب شدہ رقم کو الگ رکھ لیں یا کسی اکاؤنٹ میں ڈال دیں اور اس میں سے حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے رہیں لیکن جب تک زکوٰۃ کی رقم کو مکمل طور پر ادا نہ کر دیا جائے، اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں سمجھی جائے گی۔

کیا جمع شدہ زکوٰۃ ایک سال کے اندر خرچ کرنی ضروری ہے؟

سوال: (۴۳)

ہم اجتماعی طور سے زکوٰۃ جمع کرکے سال بھر مستحق افراد تک پہنچانے کا نظم کرتے ہیں۔ ہماری تنظیم کے بعض افراد کا اصرار ہے کہ گذشتہ برس ماہِ رمضان میں جمع کی گئی زکوٰۃ کی رقم آئندہ رمضان شروع ہونے سے قبل مستحق افراد میں تقسیم کر دینی ضروری ہے، کچھ بچا کر نہیں رکھنی چاہیے، جب کہ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ اگر کچھ رقم سال بھر کے اندر خرچ نہ ہو سکے تو اسے آئندہ جمع ہونے والی رقم میں شامل کر دیا جائے اور مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

جواب:

زکوٰۃ کے جمع و صرف کا اجتماعی نظم کرنا ایک مستحسن عمل ہے۔ زکوٰۃ کی انفرادی تقسیم کے مقابلے میں اسے اجتماعی طور سے جمع کرکے منصوبہ بندی کے ساتھ تقسیم کرنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ہر بستی میں اس کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اس سے فقرا کی عزّتِ نفس مجروح نہیں ہوتی، انھیں بہ قدر ضرورت مال مل جاتا ہے اور ان کی معاشی کفالت اور خود اختیاری میں مدد ملتی ہے۔

زکوٰۃ جمع کرنے والی تنظیم زکوٰۃ دینے والوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں، دونوں کی نمائندہ ہوتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں نے اپنی زکوٰۃ تنظیم کے حوالے کر دی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور ان کا فرض ساقط ہوگیا۔ اب تنظیم والوں کی ذمے داری ہے کہ وہ مستحقین کو تلاش کرکے ان تک زکوٰۃ پہنچائیں اور ان کی ضروریات پوری کریں۔

جمع شدہ اموالِ زکوٰۃ کو جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بلا سبب تقسیم زکوٰۃ میں ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہیے، لیکن انھیں ایک سال کے اندر خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر کچھ رقم سال بھر کے اندر خرچ نہ ہوسکے تو اسے آئندہ سال جمع ہونے والی رقوم میں شامل کر دینا چاہیے اور منصوبہ بندی کے ساتھ انھیں خرچ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:(۴۴)

ایک شخص نے یہ نیت کی کہ وہ ہر ماہ زکوٰۃ کی رقم نکالے گا۔ سال کے آخر میں جب وہ حساب کرے گا تو اگر اس پر اس سے زیادہ زکوٰۃ واجب ہوئی جتنی وہ نکال چکا ہے تووہ بقیہ کو بھی ادا کردے گا اوراگروہ واجب زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرچکا ہے تو وہ زیادہ ادا کی گئی رقم کوصدقہ مان لے گا۔کیا اس طرح زکوٰۃ نکالنی درست ہے ؟

جواب:

کوئی شخص نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہوگیا ہوتو سال پورا ہونے سے پہلے بھی وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص واجب الادا زکوٰ ۃ کی رقم کو یا جوزکوٰۃ اس پر واجب ہونے والی ہے، اسے حسبِ ضرورت مستحقین کوقسطوں میں دینا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا

سوال:(۴۵)

کچھ لوگ اپنی زکوٰۃ نکال کر اسے اپنے پاس ہی رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ، جب ان کے پاس فقراء ومساکین اور ضرورت مند آتے ہیں تو اس میں سے انہیں دیتے رہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب:

جب کوئی رقم نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزرجائے تو اس کی زکوٰۃ نکال دینی چاہیے۔ آسانی کے لیے یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ایک وقت متعین کرلیا جائے اوراس میں زکوٰۃ نکال دی جایا کرے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی یک مشت بھی کی جاسکتی ہے اورقسطوں میں بھی۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا جس میں سہولت محسوس کرے، اس پر عمل کرسکتا ہے ۔ کوئی شخص یک بارگی زکوٰۃ نکالنے میں دشواری محسوس کرتا ہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ اسے کئی قسطوں میں تقسیم کرلے اورمہینے دو مہینے پر ایک ایک قسط ادا کرتا رہے۔ اسی طرح اسے اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ اپنے مال کا حساب کرکے، زکوٰۃ کی جوبھی رقم بنتی ہے، اسے الگ کرلے اور وقتاً فوقتاً اس کے پاس جو ضرورت مند آتے ہیں، انہیں اس میں سے دیتا رہے۔

قسطوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:(۴۶)

کیازکوٰۃ قسطوں میں دی جاسکتی ہے؟ اگر ہاں تو اس کا حساب لگانے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

زکوٰۃیک مشت نکالی جا سکتی ہے اور قسطوں میں بھی۔

قسطوں میں زکوٰۃ نکالنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے پورے مال کا حساب کرکے جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہو اسے الگ کرلیا جائے، یا اگر پوری رقم بینک میں ہو تو زکوٰۃ کی رقم کو الگ نوٹ کرلیا جائے اور اس میں سے حسبِ ضرورت و موقع تھوڑا تھوڑا خرچ کیا جائے، یہاں تک کہ پوری رقم خرچ ہوجائے۔

اس کا دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ سال مکمل ہونے سے پہلے، آدمی حسب ضرورت زکوٰۃ نکالتا رہے۔ جب وہ کسی غریب کو کچھ مال دے تو نیت کرلے کہ میں یہ مال بہ طورزکوٰۃ دے رہا ہوں ۔ سال مکمل ہونے پر حساب کرلے کہ اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ حساب ہونے پر اگر زکوٰۃ کی کچھ رقم اس کے پاس بچ رہے تو اسے بھی نکال دے اور اگر وہ زیادہ زکوٰۃ نکال چکا ہو تو زائد رقم کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کرسکتا ہے۔

کیا زکوٰۃ کو یک مشت ادا کرنا ضروری ہے؟

سوال: (۴۷)

کیا جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسے فوراً یک مشت ادا کردینا ضروری ہے؟ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے رکھ لوں اور پورے سال اس میں سے تھوڑی تھوڑی رقم ضرورت مندوں کو دیتا رہوں ۔ لیکن مجھے شبہ ہے کہ جب تک زکوٰۃ کی رقم میری تحویل میں رہے گی میں اس کی عدم ادائی کا گناہ گار ہوں گا۔

جواب:

زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد اسے فوراً بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور کچھ تاخیر سے بھی۔ یک مشت بھی اس کی ادائی کی جاسکتی ہے اور اس میں سے تھوڑی تھوڑی رقم حسب ضرورت بھی خرچ کی جاسکتی ہے۔ لیکن محض رقم زکوٰۃ کو الگ رکھ لینے سے وہ ادا شدہ متصور نہ ہوگی، جب تک کہ وہ کسی مستحق کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے۔ اس لیے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے 'تملیک' (کسی کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینا) ضروری ہے۔ جب زکوٰۃ کی وہ رقم کسی مستحق کو مل جائے گی تبھی وہ ادا سمجھی جائے گی۔ اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قدرت کے باوجود ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر کی تو وہ گنہ گار ہوگا۔ فقہائے احناف تاخیر سے ادائی کی اجازت دیتے ہیں، لیکن وہ بھی ایسا کرنے کو مکروہ کہتے ہیں ۔

کیا زکوٰۃ کو ماہِ رمضان میں ادا کرنا ضروری ہے؟

سوال: (۴۸)

کیا زکوٰۃ کو ماہِ رمضان میں ادا کرنا ضروری ہے، یا بعدِ رمضان بھی دینے سے ادا ہو جاتی ہے؟

جواب:

بہ قدر نصاب مال کسی شخص کے پاس ایک سال تک رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔ سال پورا ہونے کے بعد وہ کبھی بھی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔ اس کے لیے رمضان کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ۔ لیکن اگر کسی نے رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالنے کا معمول بنا رکھا ہے تو یہ بھی اچھا ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رمضان میں اپنی زکوٰۃ نکالا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے: ”لوگو! یہ تمھاری زکوٰۃ کی ادائیگی کا مہینہ ہے، اس لیے اپنے قرض ادا کرلو، تاکہ جو مال بچے اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔“

بہر حال زکوٰۃ ماہِ رمضان میں نکالنا ضروری نہیں ۔ ایک سال پورا ہونے کے بعد آدمی اپنی سہولت سے کسی بھی وقت نکال سکتا ہے۔ رمضان سے پہلے، یا رمضان میں، یا رمضان کے بعد۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رمضان کاانتظارضروری نہیں

سوال:(۴۹)

عموماً لوگ ماہ رمضان میں زکوٰۃ نکالتے ہیں ۔یہاں تک کہ اگر کسی کے مال پرچھ ماہ قبل ہی سال پوراہوگیاہوتو بھی وہ رمضان کاانتظارکرتاہے۔شایداس کے پیچھے یہ ذہنیت کام کرتی ہے کہ رمضان میں ہر عمل کا زیادہ ثواب ملتا ہے، لیکن مجھے خیال ہوتاہے کہ کہیں ایسا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد اس کی ادائی میں تاخیر کاگناہ لازم نہ آتاہو۔براہ کرم واضح فرمائیں، کیا زکوٰۃ اداکرنے کے لیے رمضان کاانتظارکرنا درست ہے؟کیا زکوٰۃ فرض ہوتے ہی فوراً اس کی ادائیگی ضروری نہیں ؟

جواب:

مال دار مسلمان،جن پر زکوٰۃ فرض ہے اوروہ فرض جانتے ہوئے اسے نکالنے کااہتمام کرتے ہیں، ان کا یہ معمول بن گیا ہے کہ وہ ہرسال ماہ رمضان کاانتظار کرتے ہیں، اسی میں اپنی تجارت،دوکان اورپس انداز کیے ہوئے مال کا حساب کرتے ہیں اور جتنی زکوٰۃ ان پر واجب ہوتی ہے اسے مستحقین اورضرورت مندوں کو دیتے ہیں۔یہ چیز اس قدرمعروف ہوگئی ہے کہ دینی مدارس کے محصلین بھی رمضان ہی میں ان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہیں کہاجاسکتاکہ اس رجحان کو رواج دینے میں خود ذمے داران مدارس کا حصہ ہے کہ مدارس رمضان میں بندرہتے ہیں اور ان کے اساتذہ فارغ رہتے ہیں، اس لیے انہیں نزدیک اوردور کے مقامات کا سفر کرنے کا موقع حاصل رہتاہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث کی روسے رمضان میں ہرعمل کا اجر سات سوگناتک بڑھ جاتاہے،بلکہ بے حدوحساب ہوجاتا ہے، اس شوق میں زکوٰۃ نکالنے والے زیادہ اجر وثواب کے لالچ میں رمضان کا انتظار کرتے ہیں ۔ کوئی بھی وجہ ہو،ادائیگی زکوٰۃ کو رمضان تک ٹالنا اور اسی میں نکالنے پراصرارکرنا درست نہیں ہے۔

فرضیتِ زکوٰۃ کے لیے دوچیزیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ آدمی کے پاس بہ قدرِ نصاب مال ہواوردوسرے وہ مال اس کے پاس سال بھر محفوظ رہاہو۔ اگرکسی شخص پر ربیع الاول کے مہینے میں زکوٰۃ فرض ہوگئی اوروہ چھ (۶)ماہ تاخیرکرکے اسے رمضان میں اداکرتا ہے تو وہ ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر کا قصوروارہوگا۔اگررمضان سے قبل ہی اس کا انتقال ہوگیا تواس پرزکوٰۃ فرض ہوجانے کے باوجودادانہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے:

"زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد اس کی فوراً ادائیگی ضروری ہے۔اگرصاحب نصاب اس کی فوری ادائیگی پرقادرہوتو اس کے لیے اس میں تاخیرکرنا جائز نہیں ہے۔یہ بات جمہورعلمانے کہی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتُوا الزَّكَاةَ "زکوٰۃ اداکرو۔"اس حکم کا تقاضا ہے کہ اس پرفوراً عمل کیاجائے۔"(المھذب:۵/۳۰۸)

شیخ ابن عثیمینؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"زکوٰۃ اوردیگر صدقات فضیلت والے مہینے میں نکالنا افضل ہے، لیکن جب سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوجائے تو ضروری ہے کہ فوراً نکال دی جائے اور رمضان تک اسے مؤخرنہ کیا جائے۔مثلاً اگرماہ رجب میں سال پوراہوتو رمضان تک انتظارنہ کرے اور اگر ماہ محرم میں سال پوراہوتو اگلے رمضان تک اسے نہ ٹالے۔ جس مال پررمضان میں سال پوراہو اس کی زکوٰۃ رمضان میں نکالی جائے۔البتہ اگرکبھی مسلمان بھکمری کا شکارہوجائیں، اس بنا پر وہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ نکالنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"(مجموع الفتاوی:۱۸/۲۹۵)

یقیناً ماہِ رمضان کو دیگر مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے۔ اس میں اعمالِ خیر کا اجر بہت زیادہ بڑھادیاجاتاہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اجر دینے والا

اللہ تعالیٰ ہے۔ ایک بندہ کب،کس کی، کس حالت میں مدد کررہاہے؟ یہ دیکھتے ہوئے وہ غیر رمضان میں نکالی جانے والی زکوٰۃ وصدقات کا اجر بہت زیادہ بڑھاکردے سکتا ہے،اتنا ہی جتنا رمضان میں نکالنے پرملتا،بلکہ، ممکن ہےاس سے بھی زیادہ۔

کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے؟

سوال:(۵۰)

فیکٹری میں کام کرنے والے ملازمین کے بچوں کی تعلیم، علاج معالجہ، شادی اور دیگر مواقع پر میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ان کی کچھ مالی مدد کی جائے۔ کیا انھیں زکوٰۃ کی مد سے کچھ رقم دی جاسکتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ بعض ملازمین ایسے بھی ہیں کہ اگر انھیں رقم دیتے وقت بتا دیا جائے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کردیں گے۔ کیا انھیں بغیر اس کی صراحت کے کچھ رقم دی جاسکتی ہے؟ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جسے دی جائے اسے صاف لفظوں میں یہ بھی بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے؟

جواب:

زکوٰۃ کی ادائی کے لیے ضروری ہے کہ کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت سے کچھ مال کسی شخص کو دے۔ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لیکن جس شخص کو مال دیا جا رہا ہے اس کے علم میں یہ بات آنی ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے:

ولا یشترط علم آخذ الزکاۃ انھا زکاۃ ۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ کویت، ۲/۳۹۲، بہ حوالہ المغنی، ابن قدامۃ: ۲/۲۴۰، شرح المنھاج:۲/۴۳)

”ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اسے قبول کرنے والے کو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ ہے۔“

موجودہ دور کے عالم اسلام کے مشہور فقیہ شیخ وہبۃ الزحیلی نے لکھا ہے:

”اگر مسلمان اپنی زکوٰۃ کسی ایسے شخص کو دے دے جس کو وہ غریب گمان کرتا ہو، یا وہ بہ ظاہر ضرورت مند دکھائی دیتا ہو تو اس کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے۔“ (الفقہ الاسلامی و ادلّہ، دار الفکر دمشق:۲/۷۸۹)

مولانا مجیب اللہ ندویؒ فرماتے ہیں :

"کسی مستحق کو اگر زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے تو اس کو بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اور اگر بتانے میں اس کو رنج پہنچنے کا اندیشہ ہو تو نہ بتانا ہی بہتر ہے۔ خاص طور پر اپنے قریبی اعزّہ اور دوستوں کو بالکل ہی نہ بتانا چاہیے۔" (اسلامی فقہ، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۹۲ء/۴۴۸)

کیا زکوٰۃ کی نیت بعد میں کی جا سکتی ہے؟

سوال: (۵۱)

مستحقین زکوٰۃ کو ہم وقتاً فوقتاً کچھ رقم دیتے رہتے ہیں، لیکن اُس وقت دھیان نہیں رہتا کہ جو کچھ دے رہے ہیں، وہ زکوٰۃ کی مد سے ہے۔ کیا بعد میں جب حساب کتاب کی نوبت آئے تو ادا شدہ رقم کو زکوٰۃ میں محسوب کیا جا سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ زکوٰۃ کی نیت بعد میں کی جا سکتی ہے؟

جواب:

کوئی عمل جس نیت سے کیا جائے اسی کا اعتبار ہوگا۔ عمل پہلے کر لیا جائے، بعد میں اس کے سلسلے میں کوئی نیت کی جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

انّما الأعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی (بخاری:۱، مسلم: ۱۹۰۷)

"اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی کچھ ہے، جس کی اس نے نیت کی۔"

کسی غریب شخص کی امداد کرتے ہوئے اسے کچھ رقم دی جارہی ہو تو دیتے وقت ہی نیت کرنی ضروری ہے کہ وہ رقم کس مد میں دی جا رہی ہے؟ اُس وقت کوئی نیت نہیں کی گئی یا صدقہ کی نیت کی گئی، بعد میں کچھ حساب کرتے وقت اس رقم کو زکوٰۃ میں شامل کر لینے کا ارادہ کیا جائے تو ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

فقہاء نے اتنی رعایت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی غریب کو کچھ رقم دی۔ اُس وقت اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی۔ بعد میں جب تک وہ رقم غریب کی ملکیت اور قبضے میں رہے، اس وقت تک دینے والا زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے، لیکن اگر غریب نے وہ رقم خرچ کر لی ہو، تب زکوٰۃ کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

کیا کُل زکوٰۃ کسی ایک شخص کو دینا جائز ہے؟

سوال: (۵۲)

کیا کُل زکوٰۃ کسی ایک شخص کو دی جاسکتی ہے؟

جواب:

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ اسے جملہ مصارف میں خرچ کیا جائے۔ بلکہ حسبِ ضرورت اور حسبِ موقع ان میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد مدّات میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ متعدد افراد کو دی جاسکتی ہے اور کسی ایک شخص کو بھی اس کا مالک بنایا جاسکتا ہے۔ بلکہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو دو چار چار روپے تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایک شخص کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دے دی جائے کہ اس کی کوئی بنیادی ضرورت پوری ہوجائے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی ایک شخص کو زکوٰۃ کی زیادہ سے زیادہ اتنی رقم دی جاسکتی ہے جو اس کے نصاب کو نہ پہنچے۔ لیکن موجودہ دور میں اس بات کی کوئی معنویت نہیں رہ گئی ہے۔ بعض امراض کے آپریشن میں ہزاروں نہیں، لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں ۔ بعض دیگر ایسی ضرورتیں ہوسکتی ہیں جن میں نصابِ زکوٰۃ سے کم مقدار کی رقم کفایت نہیں کرسکتی۔ ایسی صورت میں حسب ضرورت کسی ایک شخص کو مقدارِ نصاب سے زیادہ زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے۔

انٹرسٹ کو کم کرکے زکوٰۃ نکالی جائے

سوال:(۵۳)

اکاؤنٹ میں انٹرسٹ کی رقم بھی شامل رہتی ہے۔ کیا زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت انٹرسٹ کی رقم کو منہا کرکے حساب کیا جائے گا؟ اگر کوئی شخص اکاؤنٹ کی کل رقم بہ شمول انٹرسٹ کے حساب سے زکوٰۃ نکال دے تو وہ گناہ گار ہوگا؟

جواب:

بینک انٹرسٹ کو عموماً علماء نے 'رِبوٰ' (سود) قرار دیا ہے، جسے اسلامی شریعت میں حرام کہا گیا ہے۔ اس لیے اس کا حساب رکھنا چاہیے اور انٹرسٹ کی رقم کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص انٹرسٹ کی رقم کو منہا کیے بغیر اکاؤنٹ کی رقم سے حساب کرکے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے، انٹرسٹ کی رقم کو منہا کرکے وہ حساب کرتا تو زکوٰۃ کی جو رقم نکلتی، منہا کیے بغیر حساب کرنے سے زکوٰۃ کی رقم اس سے زیادہ بنے گی۔ لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا کرنے سے نہ انٹرسٹ کی رقم اس کے لیے پاک ہوجائے گی اور نہ اس زائد نکالی گئی رقم کو انٹرسٹ کی رقم میں ایڈجسٹ کرنا اس کے لیے روا ہوگا۔

نقدرقم نہ ہوتو زکوٰۃ کیسے نکالیں؟

سوال:(۵۴)

ایک خاتون صاحبِ نصاب ہے، تاہم لاک ڈاون کے بعد شوہر کا بزنس متاثر ہوا اور بیوی کے پاس بھی اتنی نقد رقم نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کر سکے۔

زیورات کی شکل میں اس کے پاس چار تولے کا ہار اور تین تولے کے کنگن ہیں۔ انہیں بیچ کر زکوٰۃ دینا بھی مشکل ہے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

جواب:

اگر کسی خاتون کے پاس صرف سات تولے کے سونے کے زیورات ہیں۔ اس کے پاس نہ کچھ نقد رقم ہے نہ چاندی کے زیورات ہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اس لیے کہ سونے کا نصابِ زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ ہے۔ البتہ اگر اس کے پاس کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ نقد رقم ہو تو ساڑھے باون تولہ چاندی (نصابِ زکوٰۃ) کی مالیت کے بقدر ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ احادیث میں سونا اور چاندی کا الگ الگ نصاب بتایا گیا ہے۔ فقہاء نے چاندی کو اسٹینڈرڈ مانا ہے اور سونا، چاندی اور نقد ہونے کی صورت میں تینوں کو ملا کر زکوٰۃ نکالنے کی ہدایت کی ہے۔

جس پر زکوٰۃ واجب ہے اسے زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔ بیوی کے زیورات پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہو تو اسے شوہر پر انحصار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خود اس کی فکر کرنی چاہیے۔ زکوٰۃ ایک سال کے بعد عائد ہوتی ہے۔ اگر عورت کو اسے ادا کرنے کی فکر ہو تو پورے سال اس کے ہاتھ میں جو پیسے آتے ہیں، اس میں سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کرے تو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اسے شوہر کا محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔ البتہ اگر شوہر اپنی خوشی سے بیوی کی زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے نکالی جاسکتی ہے۔ اسی طرح واجب ہونے کے بعد کسی قدر تاخیر سے بھی ادائیگی کی گنجائش ہے۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اگر کسی کے پاس اس کی ادائیگی کے لیے نقد رقم نہ ہو تو اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ حساب نوٹ کرلے اور بعد میں جب اسے کشادگی حاصل ہو تب تھوڑا تھوڑا کرکے یا یک مشت ادا کردے۔

مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے کا صحیح طریقہ

سوال:(۵۵)

زکوٰۃ مستحقین تک پہنچانے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب:

زکوٰۃ جس شخص پر فرض ہے اسے ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اسے گھر بیٹھے انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ کوئی غریب آئے گا اور ہاتھ پھیلائے گا تب اسے کچھ دے دیں گے،بلکہ غریب اور مستحق لوگوں کو تلاش کرکے انہیں زکوٰۃ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سماج میں بہت سے افراد : مرد اور خواتین ضرورت مند، لیکن سفید پوش ہوتے ہیں ۔ وہ اپنی غیرت کے مارے ہاتھ پھیلانا پسند نہیں کرتے۔ اصحابِ ثروت کی ذمے داری ہے کہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں ۔

زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جا سکتی ہے اور اس کے جمع و صرف کا اجتماعی نظم بھی کیا جا سکتا ہے، بلکہ موجودہ زمانے میں زکوٰۃ کا اجتماعی نظم قائم کرنا پسندیدہ اور مطلوب ہے۔تمام عبادات میں اجتماعیت کی روح پائی جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اجتماعی طور پر کی جانی چاہیے۔ادائیگی زکوٰۃ کے حکم ساتھ مختلف احتیاطی تدابیر بتائی گئی ہیں ۔مثلاً کسی کوزکوٰۃ دے کر اس پر احسان نہ جتایا جائے، اس سے بدلہ یا شکریہ کی خواہش نہ رکھی جائے، نمود و نمائش اور ریاکاری سے بچا جائے، وغیرہ۔ زکوٰۃ کا اجتماعی نظم انسان کو ان تمام خامیوں سے بچاتا ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے مسلمانوں کو زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ جو مال دار مسلمان زکوٰۃ کو ایک دینی فرض سمجھ کر ادا کرنا چاہتے ہیں ان میں سے بڑی تعداد اپنی دولت کا ٹھیک ٹھیک حساب کرکے زکوٰۃ نہیں نکالتی اور جو حساب کرکے پوری زکوٰۃ نکالتے ہیں ان کی اکثریت اسے اپنی صواب دید پر خرچ کردیتی

ہے۔اگر مسلمان صحیح طریقے سے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرلیں اور احکامِ شریعت کے مطابق اس کے جمع و تقسیم کی منصوبہ بندی کریں تو ان کے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے اور ان کی معاشی ترقی میں مدد ملے گی۔

کیا زکوٰۃ کی سرمایہ کاری جائز ہے؟

سوال: (۵۶)

ہمارے ننھیال میں ایک زکوٰۃ فنڈ تشکیل دیا گیا ہے۔ چوں کہ خاندان کے کافی افراد بیرون ملک مقیم ہیں، اس لیے اس فنڈ میں اچھی خاصی رقم جمع ہوجاتی ہے۔ اہلِ خاندان کے اتفاق سے یہ بات طے پائی ہے کہ جمع شدہ رقم کا تقریباً ستّر فی صد (70%) حصہ اپنے شہر اور اطراف کے لوگوں کے لیے معاش کے ذرائع کھڑے کرنے اور انہیں خود کفیل بنانے کے لیے استعمال کیا جائے، باقی رقم تعلیم، صحت اور ہنگامی مصارف میں استعمال کی جائے۔ اسی کے تحت ایک پروجیکٹ پیش کیا گیا، جس میں ایک ورک شاپ کی نوعیت کا شیڈ ڈالنے کا پروپوزل ہے۔ شیڈ کے لیے زمین دست یاب ہے، جو ایک اسکول سے منسلک ہے۔ یہ اسکول بھی رفاہی نوعیت کا ہے اور اس میں معاشی طور پر کم زور گھروں سے تعلق رکھنے والے بچے ہی ہیں۔اس شیڈ کا استعمال مختلف مصارف میں ہوگا، جو ذیل میں درج ہیں:

- ایل ای ڈی بلب کی تیاری۔
- الیکٹریشن کے کام، پلمبنگ، ایرکنڈیشننگ کی ٹریننگ۔
- تربیت یافتہ افراد کے لیے ورک شاپ اور ٹولز فراہم کرنا، جن سے وہ اپنا کام کرسکیں۔
- خواتین کو سلائی کرنے اور موم بتی وغیرہ بنانے کی سہولیات فراہم کرنا۔

ان میں سب سے پہلا کام ایل ای ڈی بلب کی تیاری کا ہے۔اس کا کل کچّا مال ایک کمپنی فراہم کرے گی، ساتھ ہی کام کی تربیت اور معاوضہ سب وہی کمپنی دے گی۔ تیار شدہ بلب وہی کمپنی بازار میں اپنے طور پر فروخت کرے گی۔ اس شیڈ میں

چلنے والی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے والے نّوے فی صد(90%) مسلم ہوں گے۔ دس فی صد (10%) برادرانِ وطن ہوسکتے ہیں۔ اس شیڈ کی تعمیر اور اس میں مشینری لگانے میں آنے والے مصارف کو زکوٰۃ فنڈ سے ادا کرنے کا پروپوزل ہے۔ براہِ کرم رہ نمائی فرمائیں، کیا اس کام میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے؟

جواب:

قرآن کریم میں مال کو ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ (النساء: ۵) شریعت چاہتی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ اس میں اللہ کے دوسرے بندوں کا حق پہچانیں اور ان کی مدد کریں۔ چنانچہ انفاق کے عمومی احکام دیے گئے ہیں، ساتھ ہی جب مخصوص اموال متعین مقدار سے زیادہ ہو جائیں اور کسی شخص کے پاس ایک سال تک رہیں تو ان میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی مخصوص مدّات ہیں، جنھیں سورہ التوبہ (آیت ۶۰) میں بیان کر دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے دو بڑے مصارف فقرا و مساکین ہیں۔

زکوٰۃ کا مقصد فقرا و مساکین کی ضروریات کی تکمیل ہے۔ اس لیے مطلوب یہ ہے کہ اموالِ زکوٰۃ پہنچانے میں بلا کسی عذر کے تاخیر نہ کی جائے۔ یہ روح شریعت کے خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت انھیں یہ ہدایت دی تھی:

فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ

(بخاری: ۱۴۹۶، مسلم: ۱۹)

”تم انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (یعنی زکوٰۃ) فرض کیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لیا جاتا ہے اور ان کے غریبوں کو لوٹا دیا جاتا ہے۔“

چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کا اور خلفاء راشدین کا بھی یہی معمول تھا کہ جو کچھ

مالِ زکوٰۃ اکٹھا ہوتا، اسے جلد از جلد غریبوں میں تقسیم کروا دیتے تھے۔

موجودہ دور میں ایک نیا مسئلہ یہ سامنے آیا ہے کہ کیا نفع بخش تجارتی منصوبوں میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے؟ اس کی ممکنہ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دینی اور رفاہی تنظیموں اور زکوٰۃ کے جمع و صرف کا کام انجام دینے والے اداروں کے پاس جو زکوٰۃ اکٹھا ہو اسے وہ فوری طور پر غریبوں میں تقسیم نہ کریں، بلکہ تجارتی منصوبوں میں لگا دیں، پھر ان سے جو منافع حاصل ہو اسے غریبوں میں تقسیم کریں۔ فقہائے متقدمین کے یہاں یہ بحث نہیں ملتی۔ اس لیے کہ پہلے کے زمانوں میں جو کچھ مالِ زکوٰۃ جمع ہوتا تھا اسے بلا تاخیر مستحق افراد کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ موجودہ دور کے فقہاء نے اس مسئلہ میں غور کیا تو ان کی جانب سے دو رائیں سامنے آئیں: بعض فقہاء نے اموالِ زکوٰۃ میں سرمایہ کاری کو ناجائز قرار دیا ہے اور بعض کچھ شرائط کے ساتھ اسے جائز کہتے ہیں۔ ناجائز قرار دینے والوں میں مولانامفتی محمد تقی عثمانی، شیخ ابن عثیمین، ڈاکٹر عبد اللہ العلوان اور ڈاکٹر محمد عطا السید ہیں اور جواز کے قائلین میں شیخ مصطفی الزرقاء، شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر عبد العزیز خیاط، ڈاکٹر عبد السلام العبادی، ڈاکٹر حسن عبد اللہ الامین، ڈاکٹر محمد صلاح الفرفور، ڈاکٹر محمد فاروق النبہان، ڈاکٹر حسین شحاتہ، ڈاکٹر حسام الدین عفانہ، شیخ صابون محمد، شیخ احمد خلیلی اور ڈاکٹر فرید واصل قابل ذکر ہیں۔

سرمایہ کاری کے عدم جواز کے قائلین نے درج ذیل دلائل دیے ہیں:

۱۔ مصارف زکوٰۃ کے بیان (التوبۃ: ۶۰) میں 'حصر' ہے۔ آیت میں 'اِنَّمَا' کا لفظ آیا ہے، یعنی زکوٰۃ صرف انہی مدات میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

۲۔ آیت میں 'لام تملیک' کا استعمال ہوا ہے۔ (لِلْفُقَرَآءِ)، یعنی فقراء کو مالک بنانا ضروری ہے۔ ان کی ملکیت میں جائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں سمجھی جائے گی۔

۳۔ زکوٰۃ کا مقصد فقراء کی ضروریات کی تکمیل ہے۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنے سے ان کی ضروریات کی فوری تکمیل ممکن نہیں، بلکہ ان تک زکوٰۃ پہنچنے میں تاخیر ہوتی ہے۔

۴۔ سرمایہ کاری کے نتیجے میں مکمل زکوٰۃ مستحقین پر صرف نہیں ہوتی، بلکہ کچھ سرمایہ کاری منصوبوں میں لگی رہتی ہے۔

۵۔ سرمایہ کاری میں خسارے کا امکان رہتا ہے، کیوں کہ تجارت میں نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی۔ اس لیے غریبوں کے مفادات کے پیش نظر یہ خطرہ مول لینا درست نہیں۔

۶۔ سرمایہ کاری کی وجہ سے زکوٰۃ کا خاصا حصہ انتظامی کاموں میں صرف ہوجاتا ہے۔

۷۔زکوٰۃ جمع کرنے والوں کے پاس وہ مال بہ طور امانت ہوتا ہے۔ وہ اسے غریبوں تک پہنچانے کے پابند ہوتے ہیں۔ انھیں اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔

سرمایہ کاری کے جواز کے قائلین یہ دلائل دیتے ہیں:

۱۔ آیتِ مصارفِ زکوٰۃ میں 'حصر' کا مطلب یہ ہے کہ صرف انہی مستحقین کو زکوٰۃ دی جائے جن کا آیت میں ذکر ہے۔ ان کو زکوٰۃ کس طرح دی جائے؟ اس کی صراحت نہیں ہے۔ یہ ایک اجتہادی امر ہے۔ چناں چہ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرکے اور اس میں اضافہ کرکے اسے غریبوں کو دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط تمام فقہاء کے نزدیک نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک آٹھوں مصارف کے لیے تملیک شرط ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف چار اصناف کے لیے تملیک ضروری ہے۔ مالکیہ ابتدائی چار اصناف کے ساتھ مسافر(ابن السبیل)کے لیے بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ تملیک

کی شرط کسی کے لیے نہیں ہے۔ بعض معاصر فقہاء مثلاً شیخ مصفطیٰ الزرقاء اور شیخ محمد ابو زہرہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۳۔ فقراء تک مالِ زکوٰۃ جلد از جلد پہنچانا پسندیدہ اور بہتر ہے، البتہ اگر کسی سبب سے کچھ تاخیر ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ کے ہاتھ میں داغ لگانے کا آلہ ہے اور آپؐ زکوٰۃ کے اونٹوں پر داغ لگا رہے ہیں۔ (بخاری: ۱۵۰۲) اگر اونٹوں کو فوراً مستحقین کو دے دینا ضروری ہوتا تو حفاظت اور پہچان کے مقصد سے ان پر داغ لگانے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

۴۔ سرمایہ کاری کے نتیجے میں تجارت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ غریبوں پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ جو باقی رقم سرمایہ کے منصوبوں میں لگی رہتی ہے اس کا فائدہ بھی آخر کار غریبوں ہی تک پہنچتا ہے، اگرچہ اس میں کچھ تاخیر ہوتی ہے۔ مستحقین ہی کے مصالح کی بنا پر اتنی تاخیر گوارا کی جاسکتی ہے۔

۵۔ ہر تجارت میں نفع اور خسارہ دونوں کا امکان رہتا ہے۔ خسارے کے اندیشے سے تجارت سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا جاتا۔ منصوبوں کا تفصیل اور باریکی سے جائزہ لینے کے بعد کسی ایسے نفع بخش پروجکٹ کا انتخاب کیا جائے جس میں خسارے کا امکان کم سے کم ہو اور نگرانی کے لیے ماہر، ایمان دار اور اچھی انتظامی صلاحیت رکھنے والا عملہ رکھا جائے تو خسارے کا امکان بہت کم رہے گا۔ نقصان کا خطرہ مزید کم کرنے کے لیے یہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک پروجکٹ کے بجائے متعدد منصوبوں میں سرمایہ کاری کی جائے۔

۶۔ زکوٰۃ کو انتظامی کاموں میں خرچ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ چناں چہ ایک مستقل مد 'عاملین' کی بیان کی گئی ہے۔ اگر زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی اچھی طرح منصوبہ بندی کی جائے تو انتظامی کاموں پر زیادہ صرفہ نہیں آئے گا۔

۷۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کو خیانت سے نہیں تعبیر کیا جاسکتا۔ سرمایہ کاری کرنے والوں کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ ان اموال میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو اور ان کا فائدہ غریبوں تک پہنچے۔ ان کا یہ عمل ان میں بے جا تصرف نہیں، بلکہ حسنِ انتظام کے ذیل میں آتا ہے۔

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کا موضوع فقہی اکیڈمیوں میں بھی زیر بحث آیا ہے۔ بعض اکیڈمیوں میں اس کے جائز ہونے کی تجویز منظور ہوئی ہے تو بعض نے ناجائز ہونے کی رائے دی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کے سلسلے میں معاصر فقہاء کے یہاں جواز اور عدم جواز، دونوں طرح کی آراء پائی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اجتہادی اور استنباطی مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک راجح یہ رائے ہے کہ مالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، البتہ اس میں چند شرائط کو لازماً ملحوظ رکھنا چاہیے:

۱۔ کل اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری نہ کی جائے، بلکہ زیادہ حصہ غریبوں اور مستحقین کو دے دیا جائے، تھوڑے حصے کو سرمایہ کاری کے منصوبوں میں لگایا جائے۔

۲۔ سرمایہ کاری مختصر مدت کے منصوبوں میں کی جائے، تاکہ زیادہ عرصہ تک زکوٰۃ پھنسی نہ رہے اور مستحقین جلد از جلد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۳۔ مالِ زکوٰۃ ایسے منصوبے میں لگایا جائے جس میں نفع کی قوی امید ہو اور خسارہ کا امکان کم سے کم ہو۔ نگرانی کے لیے ماہر، با صلاحیت، تجربہ کار اور ایمان دار افراد کی خدمات حاصل کی جائیں۔ بہتر ہے کہ سرمایہ کاری ایک سے زیادہ منصوبوں میں کی جائے، تاکہ کسی منصوبے میں ممکنہ خسارہ کا اثر دیگر منصوبوں پر نہ پڑے۔